

ابن صاف



عِودہ

بُجھی بُجھی سی میں قندلیل ہائے بُزم دماغ
 فسردگی نے امنگوں کا ساڑھیں لیا
 تڑپ کے سرہد ہوئی گھنگھڑوں کی نرم صدا
 سیاہیوں میں تہتارے سے رقص کرتے ہیں
 کبھی شوری میں گھلتے، کبھی ابھرتے ہیں
 کبھی فضائیں لرزاتے ہیں نفتری اشخل
 کبھی زمین پر پھلتے ہیں سیمگوں بادل
 سیاہیاں کسی گوکشے سے دوڑاتی ہیں
 تجلیات سے ٹکرائے کے لوٹ جاتی ہیں
 سکوں پروش ہے پھر ہوئے خیالوں کا
 ربابِ ذہن پر ہیجان آفریں نغمہ
 خدا میں ڈوب گئی، نغمہ شور کی آئے
 کہ لاشور کے ہونٹوں پر تھرھری سی ہے
 محل ٹھہرے کہ ملے شب میں زندگی کا سراغ

صفوی

ابن حنفی



۱۵



جو دلکشی، جو لطف افت غمِ حیات میں بے
وہ کیفِ صحیح درخشاں میں ہے تہ رات میں بے
دکھارہی ہے نئے راستے پر شراغ کی لو!!
تہہ پر شراغ انڈھیرا کسی کی گھات میں بے
سہشانے خواب ٹھیک مجھے جائے گنہ میں دیتے
عجیب طرح کا جنادو اس التفات میں بے
اس انتشار کے جنگل میں کون ہے کس کا
یہ کم نہیں کہ تراہات میرے ہات میں بے
اُتر تو اُنی ہے جب ڈراؤں کی دھوپ آنگن میں
مگر پروس کا دُمن نزلہ بھی گھات میں بے

لپیچ منیج

صفحہِ دلک

دُبی زبان سے کہنے کی بات کیا سمجھیں
بس اتنا کھلئے کہ اک ہم ہی مدعی سمجھیں
گریز کہے اسے ترک وستی توہین
ذرا سی بات پہ کیوں آپ کو بے وفا سمجھیں
ہم اپنے دور کے فرید بھی ہوئے توکیٹ
اگر نہ چیلہ پر ویز کی ادا کے سمجھیں
بقدیر ہو، بھی اگر ہم سے بڑھ گیا ہے کوئی
وہ چاہتا ہے کہ ہم سب اُس خُلد سمجھیں
ہم ان کی راہ کا پتھر تو بن ہے میں سکتے
بس اب خوش ہی رہیے وہ جانے کیا سمجھیں

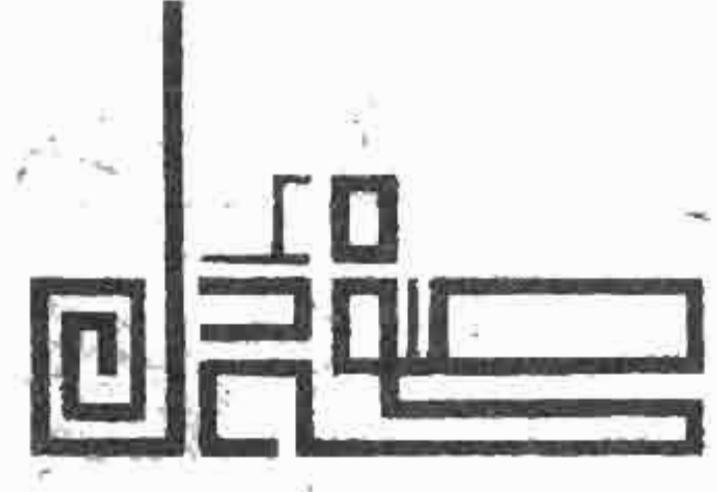
ابن صفحی

صَفَرِ دُلْلَل

یادوں کا دیتے ہیں یادوں جادو کرتے ہیں
 آئینے کی پشت پہ بھی اکثر لوگ سنوتے ہیں
 بھوکے ہی سو جاتے ہیں کھیتوں کے مزدوریاں
 اونچے محلوں کے معماں پاتھوں پر مرتے ہیں
 چاہے کوئی عالم ہوں، چاہے کوئی فاضل ہوں
 دیکھتا ہیں یہ ہوتا ہے بات بھی ڈھنگ کی کرتے ہیں
 اے دکھیار و چپ بھی رہو ٹھیک ہے لیکن ہم نے تو
 ایسے بھوول بھی دیکھے ہیں جو کائنات میں نکھرتے ہیں
 مٹی کا ارمال یہ بھی، لوگ ملکر کیا مجھیں گے
 کائنات سے چھپ جائے گا ما تھوڑا تے ڈرتے ہیں

وقت کی دھوپ سے گو جسم جلا جاتا ہے
 جسم کے کرب ہی سے ذہن جلا پاتا ہے ।
 کبھی شیئں کبھی تپکن، کبھی بے نام خلش
 ضبط کا درد سے ہر روز نیا ناتا ہے
 سیدھی یا توں کو بھی الجھان سے باز آتے نہیں
 جسے دیکھو، نئی تفسیر یہ آتا ہے
 دل فسردہ ہی سہی پچھے پہ تیابانی ہو!
 ورنہ خود داری احساس پھون آتا ہے
 ہم نہیں دام و درم مکروہیا کے جویا !!!
 ہم فتنروں سے محبت سے ملا جاتا ہے

ابنِ صفیٰ



ابنِ صفت

خود ہی کھل جائے گی بے نہ ری اغیار کی بات
نہیں سنتے نہ سئیں وہ دل بیمار کی بات

زندگی دار و رسن سے بھی جلا پاتی ہے
چھوڑیے زلف کے قصرِ لب و خسار کی بات

کار و آں منزل مقصود پہ کیوں کر پہنچے
راہبر را ہنرنوں سے جو کریں پیار کی بات

اور کوئی جو کرے بات تو ہم جان نے دیں
آپ کے منہ سے بھلی لگتی ہے اغیار کی بات

چھپے دھاگے سے نہ لٹکایے سر پر تلوار
ختم بھی کیجئے اب سمجھہ وزنا ر کی بات

ابنِ صفت



پکھ تو تعلق، پکھ تو گاؤ
میرے دشمن ہی کھلاؤ

دل سا کھلونا ہاتھ آیا بے
کھیلو تو طو جی بہ سلاو
کل ان غیار میں بیٹھے تھے تم
ہاں ہاں کوئی بات بناؤ

کون ہے ہم ساچا بنے والا
اتنا بھی اب دل نہ دکھاؤ

(ق)

حسن تھا جب سور حیا میں
عشق تھا خون دل کا رچاؤ

حسن بنا جب ہتھی گنگا
عشق ہوا کا غذ کی ناؤ

شب بھر کتنی راتیں گزر میں
حضرت دل اب ہوش میں آؤ



ابنِ صدقے

ان چٹانوں کی طرف دیکھے ذرا
 دیکھے دشیرہ گیتی کی اٹھان
 ان اجھاروں کی یعریافی یہ شان
 ان پر ملتے نہیں خرم کے نشان

 برق باراں کی ہوس نے ان کو
 سینکڑوں پار جھنجورا ہو گا
 کب کسی حال میں چھوڑا ہو گا
 جھاگ اڑاتے ہوئے دریا نے اخیں

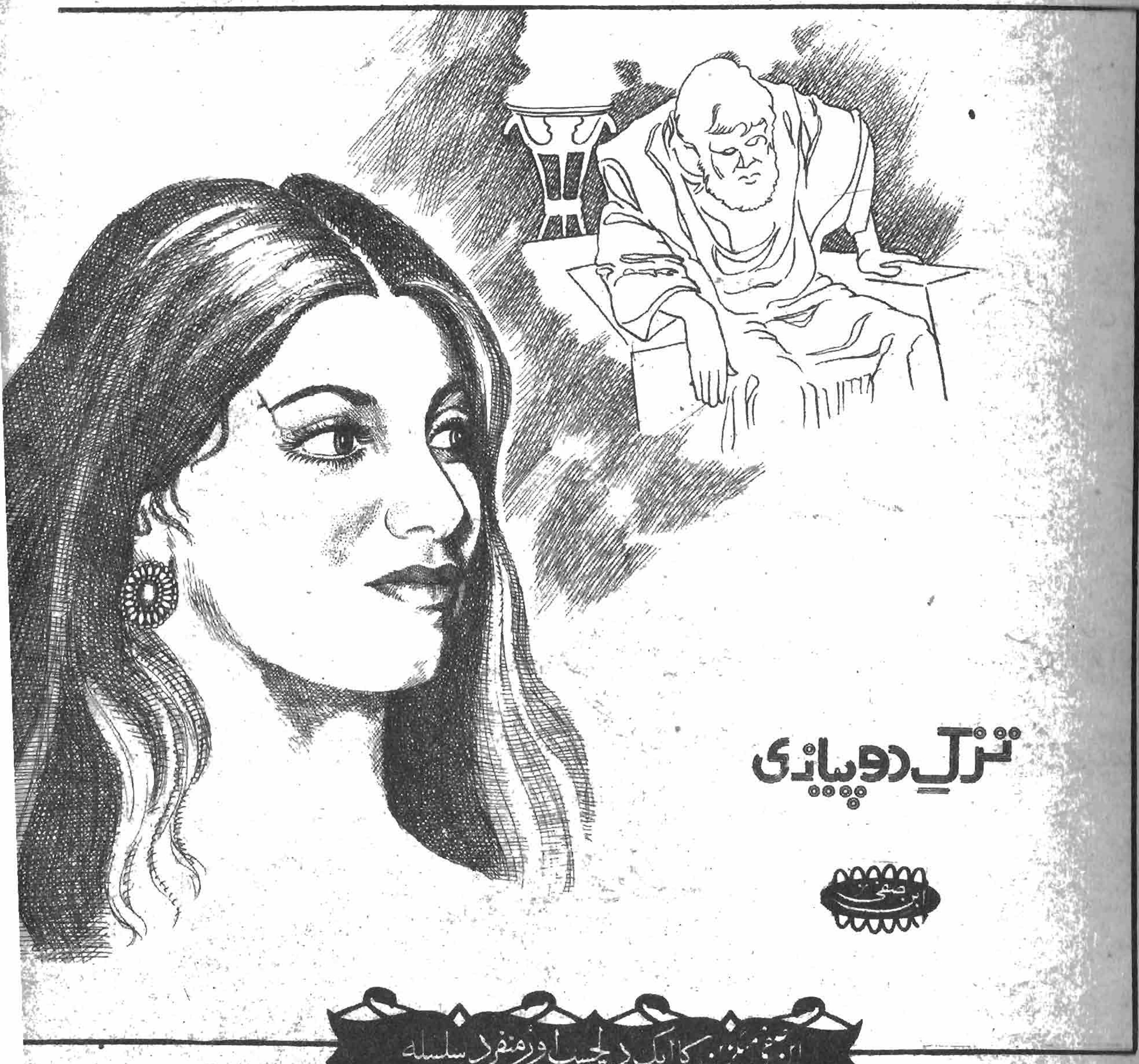
 اے میری سیمرد غنپتھ دہن
 لے گل تازہ مری جان چمن
 میری مہ پارہ مری چند کرن

اب تو ہی دل چاہ رہا تھا کہ نسترن باؤ کو قتل ہی کر دوں۔ یعنی بکستور میری چھاتی پر مونگ دلتی رہے گی۔
خورڈی دیر بعد، فیض الحسن بھی چھولداری میں داخل ہوا۔ عجیب سائلیہ ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے خورڈی دیر بعد،
اُسے قتل کر دیا جائے گا۔

کچھ دیر تک مجھے حسرت ویاس سے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔ یا حضرت! آپ کا خیال درست تھا۔ وہ پاگل ہو گئی ہیں۔

”تو یہ کیسے کہہ سکتا ہے؟“

”یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے... حضرت ملا صاحب کے ایمپی سے انہوں نے یہ کہلوایا کہ میں اپنے شوہر کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گل... اور آپ کے لیے وہی پھیلا ٹکم برقرار ہے کہ دیکھ، فیض الحسن... وہ میرے خیے میں گھسٹنے نہ رہا۔“



تسلیں دپیاں

ابن قریشین کا ایک دلچسپ و متفہ سلسلہ

"وہ کیا سمجھتی ہے۔ میں غصب ناک ہو کر کوئی بڑی بات کہتے کہتے رک گیا۔

"یا حضرت امیری بہانِ ضيق میں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ حضرت کل جاؤں... چاروں طرف بھرتیاں ہو رہی ہیں۔ کسی سپاہی کا سائس ہی بن کر زندگی گزاروں گا۔"

"وہیں بیٹھا رہ، جہاں بیٹھا ہے۔ اسی میں بہتری ہے۔ درنہ خرابی اور خواری حصے میں آئے گی۔ اتنے دنوں کے ساتھ نہ بہرحال ایک طرح کی یگانگت ہمارے درمیان پیدا کر دی ہے۔"

"لیکن اب ہو گا کیا؟"

"بے تکرہ، حضرت ملا صاحب، ہی کوئی تدبیر فرمائیں گے اور وہی تدبیر ہماری بہتری کا باعث بنے گی۔ تو بس، اپنی اس جملہ کی سچارہ۔"

"بہت بہتر، حضرت جی!"

"اب حضرت جی نہ کہا کر۔ جی بھر گیا ہے، اس طرزِ تجاوط سے۔"

"بپر کیا کہوں؟"

"جہاں صاحب!"

"اللہ ما لک ہے۔ اگر بی صاحب کو یہ طرزِ تجاوط بھال لگا... اسے، جو گتوں سے میری ناک کاٹ دیں گی۔" میں اس کو سمجھا۔ بجھا کر پھر ملا صاحب کے آستانے پر حاضر ہو گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی تبسم فرمایا اور بولے۔ "اب بھی بات نہیں بنتی ہے۔"

"یا حضرت امیں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس میں کوئی بدروح حلول کر گئی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے، ابوالحسن! وہ دراصل اب بھی تم پر اپنا ولیسا ہی غلبہ چاہتی ہے جیسا کچھ ہے اُسے حاصل تھا۔"

"وہ حصار تو حضور کی حشم کرم نے توڑ دیا۔ اب میں آزاد ہوں، بالکل۔ اپنے فہری کے مطابق زندگی بسر کر سکوں گا۔"

ملا صاحب خاموش ہو رہے۔ خوڑی دیر بعد فرمایا۔ "ابوالحسن! اتحارے یہے درباری بیاس تیار ہو چکا ہے۔ دراصل یہاں درباری علماء کی دعوم ہے لیکن میں زبانی اور تحریری لغتلو نہیں کروں گا بلکہ ایک علامت کے ذریعے اپنا مامنی الفہری بیان کروں گا اور اس بیان میں اضافہ بھی علامت ہی میں چاہوں گا... ہاں تو میاں ابوالحسن جانتے ہو گے اس نے کیا علامت قائم کی ہے۔"

"اوہ! اس میں اضافہ چاہتا ہے؟"

"ہاں، علامت ہی میں۔"

"یا حضرت! بالکل سامنے کی چیز ہے۔ اسی گیوں کے قریب پیاز رکھ دی جائے۔ دراصل دنیا پیاز اور گیوں کی چینی کو بھولتی جا رہی ہے۔"

ملا صاحب نے بے اختیار تبسم فرمایا اور بولے۔ "بہت خوب... لیکن تم اس کی وضاحت نہیں کر دے۔ لیں، پیاز رکھ کر الگ

ہٹ جانا۔ پھر میں اسی سے اس کی وضاحت طلب کروں گا۔"

جیسا آپ فرمائیں گے، اسی کے مطابق عمل کروں گا۔"

"اور ہاں، اب تم اپنی زوجہ کے خیے کی طرف ہرگز نہ جانا۔"

"بہت بہتر۔"

"دوچار دن لاپرواہی برَت کر دیکھو۔ کیا ہوتا ہے؟"

"آپ نے نیرے دل کی بلت کہ دی۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

درباری بیاس پہن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مرغِ زریں بن گیا ہوں۔ رو انگی سے قبل حضرت ملا صاحب نے فرمایا۔ "ابوالحسن!

پیاز کی دو گنٹیاں لے لینا۔ ایک گیوں کے بلا بر رکھنی ہو گئی اور دوسری کے پرست آثارتے رہنہا۔"

میں اس کی وجہ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ میں نے سوچا جو مقصد ہو گا خود ہی سامنے آجائے گا تین بیھار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال، درباری میں میری پھری صافری ہوئی۔ اس حال میں کہ میری گھنٹی بندھ کر رہ گئی تھی۔ سارے جسم سے پہنچنے پھوٹ رہا تھا... اور

سانس اس طرح پھول رہی تھی جیسے پھیپھرے متور ہو گئے ہوں۔

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملا صاحب، اکبر آباد سے اسی یہے بُوانے گئے تھے کہ اس یونانی فلسفی کو جواب دیں۔

میں نے اس یونانی فلسفی کو دیکھا۔ عجیب ہوتی سادگی معلوم ہوتا تھا۔

وفعۃ ظلیل اہلی نے ملا صاحب کو مناطب کیا۔

"ملا... کیا تم اس فلسفی کی قائم کردہ علامات میں ہمیں اضافہ کر سکو گے؟"

"جہاں پناہ! اس بازیخواہ اطفال میں ہاتھ لگاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے میرا ایک شاگرد، اس میں اضافہ کرے گا لیکن اس شرط کے

ساتھ کہ اس کے بعد، اس کی تشریح خود یونانی کرے گا۔"

یونانی اس پر تیار ہو گیا لیکن اس کے ہرثوں پر حصارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ گویا اسے لقین تھا کہ ہم سے بات نہیں بنے گی۔ ملا صاحب

نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے پیاز کی دونوں گنٹیاں نکالیں۔ ایک گیوں کے قریب رکھ دی اور دوسری کے پرست آثار کر فرش پر گمراہنے لگا۔

یونانی فلسفی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہت مفترط نظر آرہا تھا۔ آخر پر ہوش آوازیں بولا۔" میں نے جواب پالیا۔ بیشک اس دربار میں

ایک سے ایک جو ہر قابل موجود ہے۔"

ظلل اہلی نے اس سے فرمایا کہ شرط کے مطابق اب وہ، اس کی تشریح کرے۔

فلسفی بولا۔ "میں نے علامتوں کی زبان میں اظہارِ خیال کیا تھا کہ زمین گول ہے اور اپنے اس بیان میں اضافہ چاہتا تھا، اسے، آپ

کے درباری نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نہ صرف گول ہے بلکہ اس کے طبقات بھی ہیں۔ پیاز، ان طبقات کی علامت ہے۔"

اعتنت وہ جما کے شور سے سارا دربار گوئی اٹھا اور مجھ پر گھوڑوں پانی پر گیا کہ میں پیاز اور گیوں کی چینی کا صورت یہ بیٹھا تھا۔ ملا صاحب

سے اپنکو ملا نے کو جی نہ چاہا لیکن وہ کمالِ شفقت سے مسکراہٹ اکر میری طرف دیکھنے جا رہے تھے پھر مجھے اشارہ کیا کہ ظلیلِ اللہ کے سامنے ایک

بار پھر دوڑا نہ ہو جاؤں۔"

میں پہنچنے پسینہ ہو رہا تھا۔ جو اس گم تھے۔ جیسے تیسے ان کے حکم کی قیمت کی ظلیل اہلی نے بے ساختہ مجھے "ملا دوپیازہ" کے خطاب سے نوازا۔

میں خاموش رہا تو حضرت بولے۔ "میتھی بھر خاک پر ایک گیوں رکھ دیا ہے۔"

اغلت من ایک توڑہ اشر فیوں کے عطا فرمانے کے بعد اعلان فرمایا کہ مجھے بھی دیباڑیوں میں شمولیت کا اعزاز بخشنا گیا ہے۔

دیکھنے ہی دیکھنے کیا سے کیا ہو گیا۔ میرے جواب بجانز تھے ایسا لگتا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

دربار سے واپسی پر، حضرت ملا صاحب نے اپنے دستے کے لیے دیگیں پھرھوادیں۔ یہ سب کچھ میرے اعزازیں ہو رہا تھا اور میں اپنی

بہہالت پر شرمندہ تھا۔ رہ رہ کر پیاز کی چینی والی بات ذہن میں چھوڑ دی ہے۔"

میں نے اپنی اس شرمندگی کا اظہار ملا صاحب سے بھی کیا لیکن انہوں نے تبسم ہو کر فرمایا۔ تم حقیقت سے قریب پہنچنے کے تھے۔ اس

یہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ دربار میں کئی دنوں سے یہ مسئلہ درپیش تھا لیکن کوئی اور تو یہاں تک بھی نہ پہنچنے سکا۔"

اس سے کچھ دھارس بن گئی لیکن ذہن پر بستور افحملال طاری ارہا۔

اُدھر زہر میرے اس کارنامے کی شہرت، شام تک پورے شکریں ہو گئی۔ بلکہ میں ملا دوپیازہ کے نام سے پکارا جیسی جانشناکا۔

فیض الحسن میرے پاس دوڑا آیا۔ خود سے تو کیا ہفت پڑی ہو گی، نسترن بانو ہی کی طرف سے اشارہ ہوا ہوگا۔

بہرحال، آتے ہی میرے پا تھوڑے لگا۔

"یہ کیا کرتا ہے؟ میں نے منع کر دیا تھا۔" میں گھوڑ کر بولا۔

"یا حضرت! آپ کتنا ہی احتراز و احتساب فرمائیں لیکن آپ کے کامل ہونے میں مجھے کوئی شُرُب نہیں ہے۔ یہ بخوبی سے شکر میں نہ ہو رہے ہے کہ کوئی اس غیر ملکی کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ آپ نے چلکی بجاتے وہ مسئلہ حل کر دیا۔"

"اللذ کی ہماری بھروسی ہے میکن میں ویسا کامل و امکن نہیں ہوں جیسا تو سمجھ رہا ہے۔"

"خاصان خدا کی باتیں ہماری بھروسی کیا آئیں گی۔ آپ جو گزیر فرماء ہے ہیں، اُس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔"

"خیر یہ باتیں ختم کر۔ آپ تیرکیا ارادہ ہے؟ نسترن بانو کے ساتھ رہے گا یا میری ملازمت کرے گا؟"

"میں دونوں کا غلام ہوں۔ آپ تو شاید بی بی صاحب بھی سیدھی ہو جائیں۔"

"اس کا نام مت لو۔"

"تو کیا آپ شب کو تشریف نہیں لائیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

پتا نہیں کیوں، فیض الحسن میرے جواب سے پریشان نظر ان لگا تھا۔ لیکن اُس نے زبان سے کچھ کہا۔

"وہ خود کو بتا نہیں کیا بھتی ہے۔ آپ میں اُسے سمجھاؤں گا کہ اُس کی حیثیت کیا ہے؟" میں نے کہا اور فیض الحسن بڑی عقیدت سے سر ہلانے لگا۔

آس کے چلے جانے کے بعد، ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے فیض الحسن کی آمد کے بارے میں بتایا۔

"بیس، تم خود کو قابو میں رکھنا تحدی از وجہ راہ راست پر آجائے گی۔ ملا صاحب نے فرمایا۔ پھر کچھ دیر خانوش رہ کر بولے۔

"واقعی وگ باولوں کو بڑھادیتے ہیں۔ تم جو ولی کامل بن گئے تھے، اُس پر آب مجھے بالکل تعجب نہیں۔"

"میں نہیں سمجھا یا حضرت؟"

"سارے شکر میں تھماری شہرت اس طور سے بھی ہوئی ہے کہ راہل کو تمہی نے لا کا کہ مارا تھا اور تم صرف عالم ہی نہیں بلکہ ایک تحریر کار پشاہی بھی ہو۔"

"خداؤ کی پناہ؟" میں نے کافوں پر باخرا کھیلے اور ملا صاحب سہنس کر بولے۔ "فکر نہ کرو۔ تم اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

میرے یہ قریب ہی ایک خیمہ ایسٹاڈہ کر دیا گیا۔ یونکہ آج مجھے شب ببری کے یہ نسترن بانو کے خیمہ کی طرف نہیں جانا تھا۔ رات کا کھانا، دوست کی دعوت کی ششکل میں ہوا تھا۔ نسترن بانو اور فیض الحسن کو بھی یہیں سے کھانہ سمجھا گیا۔ آج ہی کیا، اس کا استظام تو یہیں سے ہونا تھا۔ ملا صاحب نے میری کھلات کی عصی تو روہ دونوں بھی اُبھی کے ذمے تھے۔

بعد نمازِ عشاء میں اپنے شوہن سے بھوچا ہی تھا کہ وہاں فیض الحسن کو اپنا منتظر پلایا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بی بی صاحب بتا نہیں کیا کرنے والی ہیں؟" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"وہ کہتی ہیں کہ ملا صاحب کے خلاف اعلانِ جنگ کروں گی۔"

"ایسی تاج و تخت والی ہو گئی ہے؟" میں نے سہنس کر کہا۔

"یا حضرت اکچھ کیجئے ورنہ بتا نہیں وہ کیا کر دیجیں اور خواہ مخواہ آپ کی سیکی ہے۔"

بات پتے کی کہی بھتی، فیض الحسن نے۔ مجھے سوچنا پڑا۔ واقعی بھیں کری ایسی ویسی حکمت نہ کر دیجئے کہ بندھی بندھائی ہوا اکھڑ جائے۔

آج ہی تو میں پورے شکر کی آنکھ کا تارا بنا تھا۔

"لیکن میں کیا کر سکتا ہوں، فیض الحسن؟" میں نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "وہ تو کچھ سُننے ہی پر تیار نہیں۔"

"میں کیا عرض کروں؟ میری توقع ہی خطط ہو کر رہ گئی ہے۔ اس وقت نماز کے بہانے آپ تک پہنچا ہوں۔ ورنہ حکم ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر اپنی چولداری سے قدم بھی باہر نہ نکالوں۔"

فیض الحسن چلا گیا لیکن میں ذرا دیر یو ہی تھا نہیں رہ سکا تھا۔ کیونکہ پھر ایک آدمی آدم حکما۔ بڑے ادب سے سلام کر کے گویا ہوا کہ اس کا نام رحمت علی ہے اور وہ مُلا صاحب کا منشی ہے۔ میں ہوشیار ہو بیٹھا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ان الفاظ میں سُن چکا تھا کہ وہ کسی کو بھی مُلا صاحب کے قریب ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔

پڑھا ہر خوش دلی سے میں نے اس کا استقبال کیا۔

اس کے بارے میں حقیقت خواہ کمچھ بھی رہی ہو لیکن وہ میرے سامنے جتنا مودب نظر آ رہا تھا، شاید مُلا صاحب کے حضور بھی اسی قدر رہتا ہو۔

”یا حضرت! دستگیری فرمائیے۔ میں یڑا بدنصیب ہوں۔“ بالآخر وہ رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

”خیر تو ہے، میاں! آپ کیوں اتنے پریشان ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”یا حضرت! آپ پر سب کچھ عیاں ہے۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ؟ ہم پر کیا عیاں ہے؟“

”اب دامن نہیں چھوڑ دیں گا مجھے سب کچھ معلوم ہے۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں، منشی صاحب؟“ میں نے کہا۔

”یا حضرت! یا تو اب مراد کو پہنچوں گا یا جان دے دوں گا۔ عرصہ دراز سے کسی ولی کامل کی تلاش تھی جو میری دیران زندگی کو بھی مرتدا پہنچا دے سکے۔“

”وکھو، بھی، منشی صاحب! ہو سکتا ہے کہ ہم بھی کبھی کچھ رہے ہوں لیکن مُلا صاحب کے دامن سے والستہ ہونے کے

بعد کچھ بھی نہیں رہے۔“

”مُلا صاحب، عالم بے بدال ہیں۔“ منشی رحمت علی بولا۔ ”صاحب حال نہیں ہیں۔“



اُن کی خدمت میں حاضری کے بعد سے ہم بھی نہیں رہے۔
”میری پوری عرض داشت تو من یجھے۔“

”ہر تن گوش ہیں۔ ضرور سنائی۔“ میں نے بے تار ہو کر کھما۔

”اللہ کا دیا۔ سب کچھ ہے میرے پاس... لیکن اولاد کو ترستا ہوں۔“ یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں لیکن اس نعمت سے
خود ہی رہا۔“

”مجھا! یہ اللہ کی دین ہے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ آپ کو اُس کی ذات سے مالیوس نہیں ہونا چاہیے۔ ماشاللہ! ابھی
اپ جوان المغریں۔“

”یا حضرت! بعض لوگوں نے مشورہ دیا ہے کہ پوچھتی بھی کر ڈالوں۔ شاید اللہ فضل کر دے۔“

”یہ آپ کی مرضی پر مخصر ہے لیکن ہم یہی کہیں گے کہ ناممیدی اگفر ہے۔ اللہ سے اچھی امید رکھیے۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی فضل
ہو جائے۔“

”پہلے آپ توجہ فرمائیں۔“

”ہم بھی دعا کریں گے۔“ میں نے اٹکا کر کھما۔ اچانک اتنے میں ایک فقیری ٹوٹکایا دالگیا اور میں نے اُس سے پوچھا۔ ”چیز کو
جلستے ہو؟“

”بھی، میں نہیں سمجھا۔“

”خاکستری دمک کا پھل ہوتا ہے۔ کامھیاواڑی کی طرف سے آتا ہے۔“

”بھی ہاں... بھی ہاں... ہوتا ہے۔“

”خود بھی کثرت سے کھاؤ اور اپنی ازواج کو بھی کھلاؤ۔ اللہ فضل کرے گا۔“

”بھی، یا حضرت! اب مجھے یقین لگیا کہ اللہ فضل کرے گا۔“ وہ میری درست بوسی کرتا ہوا بولا۔ اور میرا دل شدت سے

دھڑکنے لگا کہ میں ملا صاحب کی نظر نہ پڑ جائے، اس بدعت پر۔

”اُس کے رخصت ہو جانے کے بعد میں سوچنے لگا کہ کہیں فیض احسن ہی کا قول گرسی نہیں ہو جائے۔ یعنی کسی موقعے پر
دربار میں کر کری نہ ہو۔ تو پھر کیا واقعی مجھے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔“

بعد نماز عشاء، خاصے پر ملا صاحب نے مجھے طلب فرمایا۔ اور میں سوچنے لگا کہ کہیں نہیں ہو جائے۔ مُنشی رحمت علی والی بات۔

”مجھے متفکر دیکھ کر خود ملا صاحب نے دریافت حال فرمایا اور میں نے موقع مناسب جان کر رحمت علی والا فخر عرض کر دیا۔“

حضرت میں پڑے اور الجے۔ ”لیکو، الراحسن اتم و تحقیق الامکان بچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اللہ دیکھ رہا ہے... لیکن یہ
ضعیف الاعتقاد لوگ خود ہی تمھارا یہچا نہیں چھوڑتے۔ لہذا تم اس کی قطعی پرواہ نہ کرو۔“

”یہکن، یا حضرت! اور بارا...“

”تم اس کی بھی فکر نہ کرو۔ یہ سب کچھ ہم دیکھیں گے... اور سُنو، ہو سکتا ہے کہ اسی سبب سے تم سجدہ تہذیت سے
بھی بچ جاؤ۔“

”اُس سے تو پچاہی چاہتا ہوں۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہم فی الحال یہی گوشش کریں گے کہ تم روز رو زکی حافری سے بچے رہو۔“

”یہ تو بہت، ہی اچھا ہوگا، یا حضرت!“

”کھانے کے اختتام پر میں نے ملا صاحب سے اجازت چاہی کہ نترن باوکی طرف جانا چاہتا... اور مجھے یقین تھا لفظ احسن
میرے بچے می منتظر ہو گا۔“

”میرا خیال غلط نہیں بھلا تھا۔ وہ بے جینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔“

”یا حضرت! اب بی صاحب کی حالت غیر ہو رہی ہے۔“ اس نے کھما۔

”حالت غیر ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”بس، چل کر خود ہی دیکھ لیجئے۔ بار بار غشی طاری ہو جاتی ہے۔“

”غشی کیوں طاری ہو جاتی ہے؟“

”اب میں کیا عرض کروں؟“

”اچھا، چل...“ میں تیار ہو گیا۔ نترن باوکا خیمہ بہت زیادہ دوڑ نہیں تھا۔ میں فیض احسن کی چھولداری کی طرف ٹرھا۔

”یا حضرت! ادھر ہجھا؟“

”ہم یہیں بھریں گے۔ تو جا کر ہماری امد کی اطلاع دے دے۔“

”یا حضرت! اب اس کی ضورت نہیں۔“ وہ ہنس کر بولا۔ اس کی اس وقت کی بہنسی سخت گواں گزری بھتی۔ دل چالا

کم دود کی گردان ہی مودودوں لیکن چھر صبر ہی کرنا پڑا۔ بہت نہیں پڑ رہی بھتی، خیمے میں قدم رکھنے کی۔ پھر اس کا بھی خیال تھا

کہ یہ مودود اب بھی دل میں ہنس رہا ہو گا۔

بہر حال، کسی نہ کسی طرح دل کڑا کر کے خیمے میں قدم رکھا اور فیض احسن نے حاجب کے سے انداز میں صدالگائی ”حضرت!“

”لشیف فرم� ہوتے ہیں۔“

”میں نے مزکر اُسے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ نترن باوک بستر پر چاروں خانے چت پڑی ہوئی نظر آئی بھتی۔..“

”اُسیں بندھیں۔ شاید اسی کیفیت میں بھتی، جس کا ذکر فیض احسن نے کیا تھا۔“

”میں، اس کے سرمانے بیٹھ گیا لیکن وہ اُسی طرح جے جس درکت پڑی رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کس طرح

”وہ میں لایا جائے۔ ویسے مجھے یقین کامل تھا کہ بن رہی ہے۔“

”دفعتہ اس نے اُنھیں کھوئے بغیر سوال کیا۔“ کیوں آئے ہو؟“

”ت... تم نے بلایا تھا۔“ میں نے ہاتھ پر ہٹئے ہوئے کھما۔

”اور اگر میں نہ بلائی تو...؟“

”تو پھر وہی ہوتا، جو خدا چاہتا۔“

”تم آخوند کو کیا سمجھتے ہو؟“ میں جب چاہوں تھیں خاک میں ملا دوں۔“

”کیا۔ ہی اطلاع دینے کے لیے بلایا تھا؟“

”ہاں، میں تھیں یہی بتانا چاہتی بھتی۔“

”یہ تو تم شروع ہی سے بتائی جی آرہی ہو۔“

”مجھ پر تمہارے درباری بن جانے کا ذرہ برا برا بھی رُعب نہیں پڑا۔“

”میں اپنی کوشش سے درباری بھی نہیں بننا۔“

”پھر وہ یہکی کھم کھما کر اٹھ بیٹھی اور کسی بھوک شیرنی کی طرح مجھے گھورنے لگی۔“

”آخر تم چاہتی کیا ہو؟“ میں نے اٹکا کر پوچھا۔

”میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم زندہ رہو۔“

”ٹلہر ہے کہ میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں، تم خود کشی کی طرف جا رہے ہو۔“

”یہاں وہ کس طرح؟“

”تمہاری بھلی شہرت! ابھی تک برقرار رہے یہاں سب ہی جانتے ہیں کہ تم ایک پیر روشن فہیر ہو۔“

"چلو، اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
بہت فرق پڑتا ہے۔ اگر دربار میں تم نے کسی معاملے میں مذکور کی تھی کا پیر ہی نصیب ہوگا۔"
تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتیں۔" میں نے والقی خوف زدہ ہو کر کہا۔
اباحسن! ہوش میں آؤ۔ میں تھاری دشمن نہیں ہوں۔ تم سے زیادہ میں دربار کے حالات سے باخبر ہوں۔"
تت... تم کس طرح باخبر ہو؟"

"سرداروں کی بیگنات، میری خدمت میں حاضری دینے لگی ہیں اور میں ان کی حاجت روائی کرنے لگی ہوں۔"
ایم نے اچھا نہیں کیا۔"

"میرے لیے ہی تھکم تھا ہے البتہ تم جا کر اس مٹی کے پتلے کو سجدے کرو۔"

"ذمیرا پیر سجدہ کرتا ہے اور نہ میں کروں گا۔"

"اسی پر تو گردن کئے گی، تھاری۔ ملا صاحب بھاری بھرم آدمی ہیں۔ میں غریب شو

ہے، اس کی زبان سے اپنے لیے لفظ شوہر من کر دل بھرایا۔ انھیں قلب بانگیں اور میں بے وقوف کی طرح اس کی شکل تکت

رہا۔ اس نے لباپتادیکھ کر دمری ضرب لگائی۔

"تم صدھہ نہیں کرو گے، جہاں پناہ کو اور وہ علماء، بہوں نے دین الہی کا چکر جلوایا ہے، تمھیں زندہ نہیں رہنے دیں گے... مجھے

اطلاق عالمی ہے کرو تھارے وجود کو دین، الہی کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہیں، خیال ہے کہ ملا صاحب، ان بے دین علماء کے خلاف ایک محاذ بنارہے ہیں۔"

"تت... تمھیں یہ سب کچھ سرداروں کی بیگنات سے معلوم ہوا ہے؟"

"ہاں اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یوں تک صدقہ خبری ہی پہنچتی ہیں۔"

میں ستائیں ہیں آگیا۔ اس کی باتوں میں وزن حسوس ہوا تھا۔

وہ مجھے خود سے دیکھ رہی تھی۔ میری پریشانی جانپ کر کے حد نرم ہجھے میں بولی۔ "اباحسن! میں اپنی زندگی سچانے کے لیے ہاتھ

بیمار دہی ہوں۔ کیوں کہ میری زندگی بھی تھی سے ہے۔"

یہ دوسرا حملہ تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ ہماریں مار مار کر رونا شروع کر دوں۔ گیا وہ بہاٹن میرے لیے ایسے جذبات رکھتی

ہے۔ میں اب کیا ہو سکتا تھا۔ دربار سے گھوغلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی۔

"وہ بے دین علماء یہ سمجھتے ہیں کہ تم اپنی کرامات دکھا کر ظل الہی کو ان سے بدلن کرنے کی کوشش کرو گے۔"

"تو کیا میں یہ احوال، ملا صاحب کے گوش نزار کر دوں؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ چھر کوئی نئی پٹی پڑھاویں گے۔"

"تو چھر کیا صورت ہوگی؟"

"اباحسن! میں ہی کوئی صورت نہیں کیں۔ تم اس جنگ میں کسی بھی قسم کی گفتگو نہیں کروں۔"

"ہاں، یہی مناسب ہے۔"

"اور اگر انہیں، ہماری اس سازش کا علم ہو گیا تو...؟"

"اباحسن! ابے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ اول تو یہ سازش نہیں ہے اور چھر تو گفتگو، ہمارے درمیان ہو رہی ہے۔ اس کا علم

انہیں کیونکر ہوگا۔"

"یقین کرو، نسترن بانو! ملا صاحب روشن ضمیر نہیں۔ صاحب حلال ہیں۔"

"تم بتلار ہو، اس بخط میں۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"خیر تو چھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"
پوچھی نہیں نہیں کیوں نگی تو میں۔ بن تھیں خاص خاص موقع پر محیری بھلیات پر عمل کرنا ہوگا۔"
تمھاری بھلیات پر...؟" میں نے حریت سے پوچھا۔
تھیں اس پر حریت کیوں ہے؟ کیا میرے ہی شوروں نے تھیں اس مرتبے تک نہیں پہنچایا کہ ملا صاحب جیسے لوگ تھاری اُن متوجہ ہو سکیں؟"

اس بات کا کیا جواب دیتا۔ دم بخود رہ گیا، لیکن اس کی باتوں سے واقعی عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ چھر بولی۔ اس بھری پُری دُنیا میں، مجھ سے زیادہ تمھارا ہمدرد اور کوئی نہیں ہے۔ تم اپنی مندی طبیعت کی وجہ سے دُور ہاگے رہے ہو، ورنہ میں اچھی طرح بھتی ہوں کہ تم بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

میں خاموش بیٹھا ہا۔ آخر اُس نے بُڑے درد ناک لہجے میں کہا۔ "کچھ تو بلو، ابوحسن! کیا تمھارا خون سفید ہو گیا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میرے دل میں اب بھی تھارے یہ اتنی ہی جگہ ہے جتنی پہلے تھی۔"

"میں کیسے یقین کروں؟ اتنے دن گزار کر میرے پاس آئے ہو۔"

"بن، اسی کی بات ذکرنا۔ مجھے یہکہ پیک غصہ آگیا۔"

"کیوں، بھڑک کیوں اُٹھے؟"

"مجھے عزت نفس سے زیادہ کوئی شے پہنچا نہیں۔" میں نے کہا۔

"زن و شو کے درمیان عزت نفس جیسی کوئی شے نہیں ہوتی۔"

"یہ غلط ہے۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں۔"

"تم اُول درجے کے بے وقوف ہو، ابوحسن! ہورت ناکرتی ہے روشنی بے اور مدد اُسے مناتا ہے۔"

"مجھے ایسے چرخوں سے وحیبی نہیں ہے۔"

"اسی یہے میں کہا کرتی تھی کہ تم ابھی شادی کے قابل نہیں ہوئے۔ یہ تو اس مُلابائی نے میرا کھل بھال دیا۔"

"درد تم اسی طرح خواہ خواہ میرے سر پر مسلط رہتیں۔" میں نے بھکر کر کہا۔

تم پھر بیٹھنے لگے، ابوحسن! اچھا، اب جاؤ۔ میکن خیال رہے کہ تمھیں دربار سے والبتہ نہیں رہنا۔ میں تھیں اس چکر سے بھال

لئیں گی۔

میں چکر اکر رہ گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ اب وہ اپنے ہی ساتھ قیام کرنے کو کہے گی لیکن وہ تو چھروں پس پھیج رہی تھی۔ میں جھنڈا کر اٹھ

لئیں گی۔

"اچھی بات ہے، خدا حافظ!"

میں نیچے سے نکل آیا۔ فیض الحسن اپنی چھولداری کے سامنے کھڑا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ اور وہ ایک طرف ہٹتا ہوا

بڑا۔ زہے نصیب کر آج چھر اس چھولداری کے نصیب جا گے۔"

"بکواس نہ کر۔ ہم کچھ دیریاں بیٹھیں گے۔" میں نے کہا اور چھولداری میں داخل ہو گیا۔

"کچھ بات بھی؟ اُس نے بُڑے ادب سے پوچھا۔

"اچھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"یا حضرت! اب کیا تردید ہے؟"

"کہو نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔"

" تو کیا آپ تشریف لے جائیں گے؟"

"ہاں، ہمارے لیے یہی مناسب ہے۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ اب صلح صفائی ہو جائے گی اور آپ ہمیں قیام فرمائیں گے۔"

"ابھی اللہ کی مرضی نہیں ہے۔"

وہ ہنڈی سانس لے کر اس طرح میری طرف دیکھنے لگا جیسے مجھ پر کوئی بہت بڑا غم توٹ پڑا ہو۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہا ہے؟ میں نے جنجنجلہ کر پوچھا۔

"یا حضرت! میرا اس دنیا میں آپ دونوں کے علاوہ اور توں ہے؛ لہذا آپ کے ذکر میرے ذکر ہیں۔"

"مجھے کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"بی بی صاحب بڑا ظلم کر رہی ہیں۔"

"بجوس نہ کر کیا ہم اس سے ڈرتے ہیں؟"

"ہائے! ہم تو دشواری پے۔ وہ کہا۔

"یہ کیا بجوس ہے؟"

"وہ جو اپنی ازواج نے نہیں ڈرتے، پُرسکون زندگی نہیں گزار سکتے۔"

"تو کیا جانے؟ تجھے تو اس کا کوئی تجربہ نہیں۔"

"کیا آپ کی زندگی پُرسکون پے، یا حضرت؟"

"تجھے بھی یہ لیاقت ہوئی کہ ہم سے اس طرح لفڑکوں پے۔ میں نے بگڑا کر کہا۔

"مرضی کے مالک ہیں جہاں چاہیں گے قیام فرمائیں گے۔ ارے یہ تو نے کیسی باتیں چھیر دیں۔ ہم آئے تھے کہ تجھے کسی اور

میں پر گفتگو کریں گے اور تو یہ قصے لے بیٹھا۔"

"فرمایے یا حضرت؟ میں بھلاکس قابل ہوں؟"

"اگر تو نے ہمارے کہنے کے مطابق عمل نہ کیا تو یاد رکھ، ٹری ذلت و خواری میں پڑے گا۔"

"آپ کے ٹھکنے سے کب باہر رہا ہوں یا حضرت؟"

"تجھے اب اس پر نظر رکھنی ہے کہ کین کین سرداروں کی بیویاں نسترن بانو کے پاس آتی ہیں؟"

"میں سرداروں کے نام کیا جاؤں گا؟"

"لوکشش کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ تجھے اس سلسلے میں تک دو کرنی پڑے گی۔ درنہ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لے کسی

مرقعہ پر تینوں کی گردیں کٹ جائیں گی۔"

"یا حضرت! تجھے دہشت زدہ نہ کیجئے۔"

"فیض الحسن! ہم غلط نہیں کہہ رہے۔ بُرے چھپنے ہیں۔"

"یہی تو بی ملا صاحب بھی کہتی ہیں۔"

"لیکن ہم اتنی آسانی سے اس جاں نہیں بکل سکتے، جتنا ہو گھٹتی ہے۔"

"اچھی بات ہے، یا حضرت؟ میں اتنی لوکشش کروں گا کہ روزانہ کی روولوں، آپ تک پہنچاؤں۔"

"اُس کے بعد، میں دہاں سے اپنے خیے میں جلا آیا تھا۔"

"دوسری صبح پھر کوچ کی تیاری ہوئی۔ موسم نوشکوار تھا اس لیے نظر کے انداز میں تیزی نہیں تھی۔ راستے میں شکار بھی ہوتا تھا۔

میں ملا صاحب کے ہم رکاب پل رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "رات کو شاید تم واپس آگئے تھے؟"

"جی بہاں! میں واپس آگیا تھا اور اس سے جو باتیں ہوئیں، گوش گزار کرنے کا ممکنی ہوں۔"

"ہاں، ہاں... ضرور بتاؤ۔"

میں نے از ابتداء تا انتہا نسترن بانو سے جو گفتگو ہوئی تھی، گوش گزار کر دی۔

حضرت نے سُن کر بستم فرمایا اور بولے۔ "تمہاری زوج بہت ذہین ہے۔"

"یہی ذہانت تو میرے یہے دبال جان لے گئی ہے۔"

"بہ جان اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن خطرات کا اظہار، انہوں نے کیا ہے اُنہیں محض وہ احمد قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

"یعنی... کہ..."

"ہاں، ابو الحسن! ہماری زندگیاں خطرات سے پرہیں۔ کئی بار خود ہماری زندگی کے خاتمے کی کوشش کی جا چکی ہے لیکن محافظِ حقیقت نے

ام فرمایا کیا تم خوف محسوس کر رہے ہو، ابو الحسن؟"

"نہیں، یا حضرت، ہوت تو بہ جال آئے گی۔ البتہ بے عزتی سے ڈتا ہوں۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ انشا اللہ! اس زندگی میں بھی تم کہیا ب دکامران رہو گے۔ ابھی ہم تمہیں دبار سے دوہی کھیں گے۔ اگر پوچھا گیا

لذکہ دیں گے کہ تمہاری بربیت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے الہیان کی سانس لی۔

شام ہر تھے ہوتے ہم، اکبر آباد ہجومی گئے۔ فی الحال، ملا صاحب نے ہم تینوں کے قیام کا انتظام اپنی حوصلی ہی میں کر دیا تھا۔ ان کا حرم

ساتھ نہیں تھا۔ چند غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حوصلی میں رہتے تھے۔

نسترن بانو سے بھر ملاقات ہوئی اور وہ چمک کر گئی۔ دیکھا، اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ کھیں گے، ہمیں۔"

"کیوں غضول باتیں کرتی ہو۔ جلد ہی ہمارے یہے دوسرا انتظام ہو جائے گا۔"

"ہو جو گکا... اُس نے بُرا سامنہ بنایا اور کچھ دیر بعد پھر گئی۔ ہماری بھی بہ جال ایک حیثیت ہے۔ میری ملنے والیاں یہاں تو ہرگز

اُسیں آئیں گی۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ میں چاہتا ہیں کہ تم اس حوصلی میں اپنا کاروبار شروع کر دو۔"

"ابو الحسن! بات کرنے سے پہلے مناسب الفاظ کا انتخاب کیا کرو، ورنہ دربار سے نکالے جاؤ گے۔"

"کیا مطلب...؟"

"میں کاروبار نہیں کر رہی، خلق خدا کو فائدہ پہنچا رہی ہوں۔"

"معقول معاوضہ وصول کر کے۔"

"اتنی جلدی اپنی اصلاحیت نہ بھولو، درباری صاحب! اُس نے بے حد تنخ لہجے میں کہا اور میرا دل چاہا کہ ایک ٹھپٹر سید کر دوں۔

دوسری طرف فیض الحسن ملا صاحب کی کنیزوں کو گھوڑتا پھر رہا تھا۔ میں نے تو کا تو گھوڑا کر گیا۔ یا حضرت! قدرت کی صفائعی سے

لوکشش کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ تجھے اس سلسلے میں تک دو کرنی پڑے گی۔ درنہ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لے کسی

مرقعہ پر تینوں کی گردیں کٹ جائیں گی۔"

"یا حضرت! تجھے دہشت زدہ نہ کیجئے۔"

"فیض الحسن! ہم غلط نہیں کہہ رہے۔ بُرے چھپنے ہیں۔"

"یہی تو بی ملا صاحب بھی کہتی ہیں۔"

"لیکن ہم اتنی آسانی سے اس جاں نہیں بکل سکتے، جتنا ہو گھٹتی ہے۔"

"اچھی بات ہے، یا حضرت؟ میں اتنی لوکشش کروں گا کہ روزانہ کی روولوں، آپ تک پہنچاؤں۔"

"اُس کے بعد، میں دہاں سے اپنے خیے میں جلا آیا تھا۔"

"دوسری صبح پھر کوچ کی تیاری ہوئی۔ موسم نوشکوار تھا اس لیے نظر کے انداز میں تیزی نہیں تھی۔ راستے میں شکار بھی ہوتا تھا۔

میں ملا صاحب کے ہم رکاب پل رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "رات کو شاید تم واپس آگئے تھے؟"

"جی بہاں! میں واپس آگیا تھا اور اس سے جو باتیں ہوئیں، گوش گزار کرنے کا ممکنی ہوں۔"

"ہاں، ہاں... ضرور بتاؤ۔"

میں نے از ابتداء تا انتہا نسترن بانو سے جو گفتگو ہوئی تھی، گوش گزار کر دی۔

حضرت نے سُن کر بستم فرمایا اور بولے۔ "تمہاری زوج بہت ذہین ہے۔"

"یا حضرت! آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ میں نے قریب قریب قطع تعلق ہی کر لیا تھا لیکن وہ اس پہچی باز نہیں آئی۔"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اُنہیں سمجھاؤ گے اب یہ سب ان کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"یا حضرت! آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ میں نے قریب قریب قطع تعلق ہی کر لیا تھا لیکن وہ اس پہچی باز نہیں آئی۔"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اُنہیں سمجھاؤ گے اب یہ سب ان کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اپنی بات ہے، ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

بھی رہا ہو کر ملا صاحب، ہم تینوں کو یہاں سے نکال بانہ کریں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا تھا۔ دردِ اس طرح پہلے بھی اسی شاہ لووائی آئے ہوتے۔ میں فیض الحسن کے ساتھ چل پڑا۔ وہ ایک مرے میں داخل ہوا جس کی ایک کھڑکی "سرے کمرے میں کھلتی تھی۔ کھڑکی کے پانوں میں ایسی دُر زیں تھیں جن سے دُرسے کمرے میں جھانکا جا سکتا تھا۔ نسترن بانو پرچم بال کھولے ہوئے جھومن رہی تھی اور کنیز دل میں سے کوئی پنچھا بھل رہی تھی اور کوئی گلاب پاش سے اُس پر چھڑ کا دُکر رہی تھی۔

اُسے اس حال میں دیکھ کر سخت کوفت ہوئی اور اُس کے وجود سے گھن سی حسوس ہونے لگی۔ پانچ عدد کنیزیں، اُس کے گرد حلقوں کے بیچ میں تھیں۔

"یا حضرت! فیض الحسن نے سرگوشی کی۔ وہ جو گلاب پاشی کر رہی ہے، وہی سوسن ہے۔"

میں کچھ نہ بولا۔ مجھے یہی نکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر ملا صاحب کو اس حرکت کا علم ہو گیا تو وہ کیا سوچیں گے کیونکہ جس انداز میں وہ جھوم رہی تھی، وہ ایسا ہی تھا جیسے نچلے طبقے کی عورت پر شیخ سدو اُگیا ہو۔ دفعہ دھجوتے جھوٹے ڈک گئی اور اس کنیز کا ہاتھ پکڑ کر بولی

"بُو شنکھا بھل رہی تھی۔" مانگ کیا مانگتی ہے؟"

"عورت کی زندگی۔" کنیز نے تڑپ سے جواب دید۔

"ملے گی۔ شاہ لووائی کرم کریں گے۔"

"محضور! ہم سے بھی تو پوچھیے۔" سوسن یعنی گلاب پاشی کرنے والی کنیز نے کہا۔

"تو سنبھالہ نہیں ہے۔" نسترن، اسے گھورتی ہوئی غرائی اور اُس کے ہاتھ سے گلاب پاش چھوٹ گیا۔ نسترن کی قہراں دوناظروں کی

تاب نہ لگروہ پچھے پوکھلانگی تھی۔

پھر قبل اس کے کہ اور کوئی وقوعہ ہوتا۔ فیض الحسن کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر اُونچی آواز میں بولا۔ "حضرت! اشريف فرمادیا۔

اور ہے تھیں۔"

پانچوں کنیزیں دُرسے دروازے سے نکل گئیں اور میں، نسترن بانو کے پاس پہنچ گیا۔ بدجنت نے مجھے بھی قہراں دوناظروں سے گھوڑا۔

مکنیں سنبھال لیں گی۔ شاید وہ ان چکروں سے واقف ہیں... تبھی تو تیرے بیان کے مطابق گلاب پاشی کر رہی تھیں۔

"اُن میں ایک بہت تیز ہے۔ سون نام ہے، اُس کا اور انداز ایسا ہے جیسے حاموشی سے بی بی صاحب کا مصلحہ اڑا رہی ہو۔"

تجھے نام بھی معلوم ہو گیا۔ میں نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ ہے تھی ایسی کرفراہی نام معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں شامت آئی ہے، تیری؟"

"یا حضرت! میں بھی سینے میں دل رکھتا ہوں۔"

"اُر اسی دل کی بدولت اس حال کو پہنچا ہے۔"

"بحمد اللہ! نہزادوں سے بہتر ہوں۔" وہ دھنائی سے بولा۔

یہاں پہنچتی ہو گئے، اگر تو نے خود کو قابو میں نہ رکھا۔ میں نے کہا۔

"کوئی میں کسی کو لے کر کہیں نجاحاً گا جارہا ہوں کہے عزتی ہو گئے گی۔" فیض الحسن نے کسی قدر ناگوار ہیجے میں کہا۔

"تو یہ سوسن...!"

"یا حضرت! چاند کا ٹکڑا ہے۔ بس! دیکھا کیجیے۔"

"زبان بند کر مدد دو! وہ ملا صاحب کی کنیزیں ہیں۔"

"ملا صاحب کی حقوق تو نہیں ہیں۔ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

"گردن کٹوانے والی باتیں نہ کر۔"

وہ ٹھوڑی دیر تک بُرا سامنہ بنائے بیٹھا گا جو بولا۔ "یا حضرت! اچھپ کر جی بی بی صاحب کو اس حال میں دیکھ لیجئے۔"

میں نے بھی سوچا کہ خوشابد ہی سے کام نکل سکے گا دردِ اکڑوں تو اُس کی سرشنست تھی۔

"دیکھو، نسترن! مجھ پر رحم کرو۔" میں گڑکڑایا۔

"تم خود مجھ پر رحم کرو۔ میں ان حالات میں زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"بہت جلد بھارا علیحدہ انتظام ہو جائے گا۔ ملا صاحب فرمادیا۔"

اس وقت بات ختم ہو گئی تھی لیکن دوپر کو فیض الحسن دوڑا ہوا آیا اور مانپتا ہوا بولا۔ "بی بی صاحب پر شاہ لووائی آگئے ہیں۔" کیا بگاؤں ہے؟

"غدیل کر ملاحظہ فرمائیجئے۔ ملا صاحب کی کنیزوں نے اُن کے گرد حلقة ڈال دیا ہے اور ان پر گلاب پاشی کر رہی ہیں۔"

یہ سنتہ ہی پیر دل تسلی سے زینتیں بخل گئی۔ پتا نہیں کس قسم کا ڈھونگ لے چکا ہو گا۔

"شاہ لووائی کس طرح آگئے ہیں؟" میں نے فیض الحسن سے پوچھا۔

"بال کھوئے تھی جھومن رہی ہیں۔" "خدا غافرات کرے۔" میں دانت پیس کر بولا۔ "یہ توبے حد گھٹیا حرکت ہے۔ میں اس وقت اُس کے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔

پھر کرتی ہے، کرنے دے۔" "ایسی حالت میں انہیں تنہا بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں جارہا ہوں۔" فیض الحسن نے کہہ کر جانا چاہا لیکن میں نے اُس کا گریبان پکڑ کر جھک کر دیا۔

"چپ چاپ یہیں بیٹھا رہ۔" "ل... لیکن... یا حضرت! اگر وہاں کچھ ہو گیا تو...؟"

"وہاں کچھ بھی نہیں ہو گا۔ خاموشی سے بیٹھا رہ۔"

"میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔" "اوہ ان کنیزوں میں پہنچنے کرتے رہے گا۔"

"قسم لے لیجئے... جو...؟"

"بھروس بند کرو اور یہیں بیٹھا رہ۔"

"بی بی صاحب تنہا ہیں۔"

کنیزیں سنبھال لیں گی۔ شاید وہ ان چکروں سے واقف ہیں... تبھی تو تیرے بیان کے مطابق گلاب پاشی کر رہی تھیں۔

"تجھے نام بھی معلوم ہو گیا۔" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ ہے تھی ایسی کرفراہی نام معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں شامت آئی ہے، تیری؟"

"یا حضرت! میں بھی سینے میں دل رکھتا ہوں۔"

"اوہ اسی دل کی بدولت اس حال کو پہنچا ہے۔"

"بحمد اللہ! نہزادوں سے بہتر ہوں۔" وہ دھنائی سے بولा۔

یہاں پہنچتی ہو گئے، اگر تو نے خود کو قابو میں نہ رکھا۔ میں نے کہا۔

"تو یہ سوسن...!"

"یا حضرت! چاند کا ٹکڑا ہے۔ بس! دیکھا کیجیے۔"

"زبان بند کر مدد دو! وہ ملا صاحب کی کنیزیں ہیں۔"

"ملا صاحب کی حقوق تو نہیں ہیں۔ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

"گردن کٹوانے والی باتیں نہ کر۔"

وہ ٹھوڑی دیر تک بُرا سامنہ بنائے بیٹھا گا جو بولا۔ "یا حضرت! اچھپ کر جی بی بی صاحب کو اس الحال میں دیکھ لیجئے۔"

میں نے بھی سوچا کہ خوشابد ہی سے کام نکل سکے گا دردِ اکڑوں تو اُس کی سرشنست تھی۔

"دیکھو، نسترن! مجھ پر رحم کرو۔" میں گڑکڑایا۔

"تم خود مجھ پر رحم کرو۔ میں ان حالات میں زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"بہت جلد بھارا علیحدہ انتظام ہو جائے گا۔ ملا صاحب فرمادیا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں ٹیپے گا۔ میں تو اس نندگی کے بارے میں کہہ رہی ہوں جو تم اپنا نے جا رہے ہو۔"

"نسترن! کیا تم وہ واقعہ بھول گئیں جس کی پناپر ہم اکبر آباد سے بھاگے تھے؟"

"مجھے یاد ہے اور اس پر بھی یقین ہے کہ کسی کو ہم پر شہبہ بھی نہ ہوا ہو گا۔ صاحبِ معاملہ نے خود ہی حالات پر قابو پالیا ہو گا۔ درنہ ہم کہیں بھی نہ بچ سکتے!"

شاید وہ سچ ہی کہہ رہی تھی لیکن اس وقت کیا، کیا جائے؟ کس طرح اُسے راہ راست پر لایا جائے۔

وہ مجھے خاموش دیکھ کر بولی۔ "ان ملا صاحب نے جس طرح ہماری زندگیاں برپا دی ہیں، اُسی طرح میں بھی..." "کیا مطلب...؟" میں جلدی سے بول پڑا۔

"بس، تم دیکھ لینا۔"

"نسترن! بانو اخْدَاء کے لیے...؟"

"تم چُپ بیٹھو، ایک طرف۔ درنہ دشواری میں ٹرو گے... شاید کسی کو مُمنہ دکھلنے کے لئے قابل نہ رہ جاؤ۔"

اس دھمکی سے سہم کر رہ گیا۔ پتا نہیں، بذخوت نے کیا سوچ رکھا تھا؟ خدا جانے کیا کرنے والی تھی؟ دُھن کی پکی تھی اس یہے میری تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ آخر کس طرح معلوم ہو رکھ کر وہ کیا کرنے والی تھی؟

"وہیجو، نسترن! ایک سے دو بھلے۔ ہو سکتا ہے کہ تنہا ہٹو کر کھاؤ۔ مجھے بھی شامل کر لو، اُس کا گزاری میں جو تم سر انجام دینے والی ہو۔"

"ابوالحسن! مکاری کی باتیں تکررو۔ میں ابھی طرح جانتی ہوں کہم، ملا صاحب کے جاں میں چنس گئے ہو۔"

"نہیں، مجھے خود بھی یہاں کے حالات سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔ پتا نہیں، کب کس معاملے میں گردن چنس جائے۔"

وہ تھوڑی دیر تک مجھے غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "اگر تم سچ کہہ دے ہو تو میں بہت جلد تھیں اس جنگاں سے نکال لوں گی"

"سوال تو یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں کرو گی کیا؟"

"یہ ابھی نہیں بتاؤں گی۔"

میں بے لبی سے خُندُدی سانس لے کر رہ گیا۔ دفعتہ وہ بڑے پیارے سے بولی۔ "ابوالحسن! اس دُنیا میں تمھارا، میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اسے ہر وقت یاد رکھا کرو۔"

"مُم... میں یاد رکھتا ہوں۔" میں احمدقوں کی طرح ہمکلایا۔ وہ فرید کچھ کہنے والی تھی کہ فیض الحسن آگیا۔

"تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" نسترن پر گڑ کر بولی۔

"غصب ہو گیا، بی بی صاحب! وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔" فیض الحسن ہانپتا ہوا بولا۔

"کون بے ہوش ہو گئی ہے؟"

"وہی سوسن... جو گلاب پاشی کر رہی تھی۔"

"تجھے کیا پتا کر وہ سوسن ہے اور گلاب پاشی کر رہی تھی؟"

"خُدا کے لیے کچھ کیجئے۔"

"تجھے کیا پڑی ہے کہ اس طرح بکان ہوا جا رہا ہے؟"

"افسانی ہمدردی۔ خُدا کے لیے کچھ کیجئے۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ میرا مذاق اڑانا نے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"بالکل نہیں۔" فیض الحسن دھڑائی سے بولا۔ "وہ بے چاری تو گلاب پاشی کر رہی تھی۔"

"تو دفعہ ہو جائی ہاں سے۔ میں دیکھ لوں گی۔" نسترن نے عجیب سے ہجے میں کہا اور میں حیرت سے اُس کی شکل سکنے لگا۔

نسترن نیکم قتلتو سے کہہ رہی تھی۔ ”میاں صاحب کی ففیلت بیان کرنا، ہم گنہگاروں کے بیٹ کی بات نہیں۔“

دل چاہا کہ اپنے کان بند کرلو۔ ورنہ کہیں پھر رونماز آجائے۔

پھر ان دلوں کے درمیان ادھر ادھر کی پائیں شروع ہوئیں اور میں آنکھیں بند کیے بیٹھا جھومنا۔ سوچ رہا تھا کہ آخوند قتلو،

نسترن کو تمہاریکیوں نہیں چھوڑ دیتی۔

خدا خدا کر کے وہ اٹھی اور جلی گئی اور نسترن نے آہستہ سے کہا۔

”بس، ختم کرو۔ آنکھیں کھولو۔“

”کیا تم چاہتی ہو کہ میں بعد کو مر جاؤں۔“ میں بنے دردناک پیجے میں کہا۔

”تمہارے مئے میں خاک... کیا بکواس کر رہے ہو؟“

”فیض الحسن کو ناجتی دہاں چھوڑ آئیں۔“

”وہ آیا ہے۔ مہمان خانے میں مقیم ہے۔“

”تمہارا جس سنبھل جائے تو بہت سی باتیں کرنی ہے۔“

”میں نے طویل سانس لی اور اس سے کہا۔“ تھارا جس سنبھل جائے تو بہت سی باتیں کرنی ہے۔

”سبھلاہی ہو اے۔“

”نسترن پاٹوئے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور میرے پاس آئی۔ میں نے سوچا۔ مجھے اب اپنی کہانی سُنادینی چاہیے۔“

”لہذا اُسے تنانے لگا کہ یہاں تاک کیوں کر پہنچا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن جب رقص کے

جن کا قصہ شروع ہوا تو سنبھل کر پیٹھ گئی اور حیرت سے آنکھیں چھاڑے سُنتی رہی پھر اختمام ہر آہستہ سے بولی۔ ”ابوالحسن! تم نے تو

میرے کان جی کتر دیئے۔“

”ارے کتنا زور لگا نا پڑا تھا یہ نہیں دیکھتیں۔“

”کچھ بھی ہو۔ اب تم پکے ہو گئے ہو۔“

”اوہ یہ بڑی اچھی بات ہے۔“ میں نے آنکھیں نکال کر کھما۔

”خیر، اب ادھر کی کہانی سُننو۔“ اس نے کھا اور میں سنبھل کر پیٹھ گیا۔

”تم دوڑ پر زبردست حملہ ہوا تھا لیکن حملہ اور صرف تین تھے۔ یعنی ہنومان گڑھی کے راجہ کے تینوں چچانوں جھانڈ بھائی۔ ہمارے آدمی

جب تک وہاں پہنچتے، فیض الحسن کے خاصی چوئیں آچکی تھیں اور تم غائب تھے۔ بہر حال ہمارے ادمیوں نے تینوں کا صفا یا کر دیا۔ نصف

صفایا کر دیا بلکہ چپ چپاتے وہیں جنگل میں دفن بھی کر دیا اور فیض الحسن کو بحالت بیہوشی خالقاہ میں لائے۔ میں نے صرف اُسے دیکھا تو میرا

لیکچے کئے تھے لگا۔ میں نہیں کہہ سکتی، اس خوشخبری سے سیدے، میں نے اپنے دن کس طرح گزارے ہیں اور سُننو، ابوالحسن! میں فیض الحسن کو

اس نے ساقھلانی ہوں کہ ادھر ہی سے دتی نیکل چلیں گے۔ اتنا سرمایہ ہے کہ سالوں آرام سے گرد جائے گی اور پھر دلی تو در دلیشون کا شہر

ہے ہی۔ نظام جی کی چوکھت پر زندگی گزار دیں گے۔ شاید وہیں اللہ ہمیں نیک ہدایت دے دے۔

آخری جملہ پر مجھے ہنسی آگئی اور ایسی زبردست آئی کہ پیٹ میں درد ہرنے لگا۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ وہ جھنجلا کر بولی۔“

”کچھ نہیں... کچھ نہیں۔“ میں نے سنبھلی اخیار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن اس طرح دلی بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تم نہیں سمجھ سکتے۔ ہم خطرے میں ہیں۔ راجہ بدیعت اُمیٰں ہے۔ اپنے راستے کے بھروسوں کو تم سے ہٹوایا اور شاید اب ہماری جانوں کا

گاہک بھی بن جائے۔“

”میں سوچ میں پڑ گیا۔ کہ تو ٹھیک ہی رہی تھی۔ راجہ کی طرف سے میں بھی مطمئن نہیں تھا۔“

”لیکن ان لوگوں سے کیا کہیں گے؟“

”یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تھارا کام ختم ہو گیا۔ اگلامیدان میرا ہے۔“

”تم کیا کروں؟“

”میں دیکھ لینا۔“

”آخر کچھ معلوم بھی تو ہو۔“

”میں، سردار عبداللہ کرتباڈی کی کتم یہاں تک کیونکر پہنچے۔“

”تبیں، قطعی نہیں۔“

”کیوں؟ اس میں کیا قباحت ہے؟“

”قباحت ہی قباحت ہے۔ وہ سوچ گا کہ یہ کیسے دلی ہیں کہ حملہ اوروں سے بھی نہ نیٹ سکے۔“

”لبس، میری ششکن دیکھی اور پچوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ وہ چک کر بولی اور میں اُس کی ششکن دیکھتا ہے۔“

”اے میاں صاحب! اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”پتا نہیں، کتنے اولیاء اللہ شہید ہوئے ہیں۔ تم تو جیسے ہو، ظاہر ہے لیکن

”واقعی اولیاء اللہ تھے... پھر وہ حملہ اوروں کو کیوں نہ ختم کر سکے۔ مرضی مولا بھی تو ہوتی ہے۔“

بات قاعده کی تھی اس نے غاموش رہ جانا پڑا۔

دوسرے روز، بعد نماز ظہر، سردار عبداللہ خال، میرے ساتھ ہی میرے کمرے میں چلا آیا اور شکوہ کرنے لگا۔ حضور نے مجھ سے

آس واقعہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بی بی صاحبہ نہ بتا تھیں تو شاید مجھے معلوم بھی نہ ہو سکتا۔“

”عبداللہ اُہم اسی طرح یہاں تک پہنچ سکتے تھے اور کوئی صورت نہ تھی۔ بالآخر جو میں کھنڈر ہوئے سے بچ گئی۔“

”جی ہاں، جی ہاں، بی بی صاحبہ فرمائی تھیں کہ کچھ لوگ آپ کے دشمن ہو گئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہو سکا کہ وہ لوگ کون ہیں اور

ذہنی پا چلتا ہے کہ دشمن کا سبب کیا ہے۔“

”اللہ جانے...“ میں نے طویل سانس لی۔

”کبھی تو مجھ سے بھی ذکر کر دیتے۔“

”لیکن کس کا نام لیتا؟“

”بی بی صاحبہ فرمائی تھیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار شریف کی زیارت کو جائیں گے۔“

”پاں، خیال تو پہنچا۔“

”آخر ہم غلامان کس دن کام آئیں گے۔ آپ بے فکر ہے۔ دل بہنچانے کا انتظام میرے ذمے۔ میرے سپاہیوں کا دستہ آپ کے

ساتھ ہو گا۔“

”ارے نہیں، کہاں تکلیف کرو گے۔“

”یا حضرت اکبھی تو خدمت کا موقع دیجئے۔“

”جیسی تھاری مرضی۔“ میں نے مردہ سی آواز میں کہا... اور نسترن بانو کی کارگزاری پر عرش کرتا رہ گیا۔

واقعی دو دن بعد میں مسکن سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا، جو اپنے ساتھ تیر رفتار گھوڑوں والے دو رنگ بھی لے آیا تھا۔

ایک رنگ پر ہمارا سامان بار کیا گیا کہ نسترن بانو خاصا سامان اپنے ساتھ لائی تھی۔ دوسرے رنگ پر ہم تینوں بیٹھے۔ اس کا ایک

ست پرداہ دار تھا۔

روانگی کا منظور دردناک تھا۔ پوری جو میں کہرا م جھ گئی تھا۔ سمجھی رو رہے تھے۔ پتا نہیں، نسترن بانو نے کس دھب سے روائی

کا پڑھا تھا کہ کوئی بھی مخالفت نہ کر سکا۔ اپنی باتیں وہ خود ہی جانے۔

یہ تاکہ کچھ اسی قسم کا لگتا تھا جیسے شاہی فوج کا کوئی بڑا سردار سفر کر رہا ہو۔

شام کو ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔ سپاہیوں نے خیمے کیتے شروع کیے اور ذرا ہمیں سی دیر میں جنگل میں منگل کا سماں نظر آئے گا۔

ہمارے اور فیض الحسن کے یہ الگ الگ خیمے نصب کیے گئے تھے۔ ہمارے یہ کسی قدر بڑا خیمہ تھا اور فیض الحسن کے یہے،

پھولداری لگائی تھی۔

کئی جگہ الوروشن کیے گئے تھے، جن میں دوران سفر کے شکار کے ہوئے جانوروں کا گورنٹ بھونا جا رہا تھا۔

”فیض الحسن“ جو اس وقت میرے ہی خیمے میں بیٹھا ہوا تھا۔ گورنٹ کی خوشبو پر نمیدے پچوں کی طرح منہ چلا کر بڑا ہوا۔

”بس، منہ آگیا۔“

”کیا مزہ آگیا؟“ نسترن بانو نے تھکھے لہجے میں پوچھا۔

"بی بی صاحب اشکار کا گوشت کھائے ہوئے زمانہ ہو گیا۔"
تم نے کبھی نہیں بتایا کہ تم شکار کے گوشت کے اس قدر شائق ہو۔ وہیں نور پور میں ڈھیروں ہتھیا کر دیا جاتا۔

"دہاں، میں نے مصلحتیا یہ خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔"
"اچھا... میں نے بھڑک کر کھا۔ تو آپ کی بھی مصلحتیں ہمنے لی گیں؟"

"ساری روشنی آپ ہی سے ملی ہے، پیر و مرشد۔"
دل چاہا کر گھما کر ایک ہاتھ رسید کروں... لیکن پھر مخصوص انداز میں سر بلاؤ کر بولا۔ "خوش رہو... ہاں، تو کیا تھی مصلحت؟"

"یہ پاہیوم شد؛ لوگ کہیں گے کہ اللہ والے ہو کر لذت نفس کے لیے جانداروں کا فون کرتے ہیں۔"
سبحان اللہ! میں نے جھوم کر کھالیکن حقیقت دل چاہا تھا کہ جبڑے پر ایسا گھونسہ رسید کروں کہ کم از کم ایک ادھ دانت ہی سے محروم ہو جائے مکفعت، میری نقل امارات کی کوشش کر رہا تھا لیکن اگر اس پر کچھ کہتا تو ٹسے جواب ملتا۔ اپنے مرشد کے نقش پر نہ
پہلوں گا تو کیا کامے بھینسوں کے نقش قدم پر جیلوں گا۔"
"یہ بہت تیز ہو گیا ہے۔ نسترن بازوں پر کھس کر بولی۔"

"ہاں، اس واقعے کے بعد سے ہم اسے بے حد پسند کرنے لگے ہیں۔"
اگر کچھ مبن جاتا تو اور زیادہ پسند فرماتے۔"

"یہ کیا بھروسے ہے؟ نسترن بازو آپ سے باہر ہو گئی۔ ہماری عنایات کا یہ مطلب نہیں کہ تو سر پر چڑھ بیٹھے۔"

وہ ماتھ جوڑ کر نسترن بانو کے آگے سجدے میں گرد پڑا اور گڑڑانے لگا۔

"نہیں، کوئی بات نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ تم دیکھتی نہیں ہو کر بیچارہ کس قد غفرہ ہے۔ دماغ کب قابوں میں رہتا ہے ایسے
میں۔ پیچارے کا عشق حجازی فور پور ہی میں رہ گیا ہے۔"

"تو مرا کیوں جاتا ہے۔ کیا ہمیشہ کے لیے وہی جا رہے ہیں؟ زیارت کے بعد پھر نور پور والی ہو گی۔"

"سچ بی بی صاحب! وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔"

"اچھا... تو کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم اپنی غالقاہ چھوڑ دیں گے؟"

"لیکن مالی صاحبہ! یہ سالا سامان... سمجھی تو ساتھے جا رہی ہیں۔"
کوئی ایسی چیز ساتھ نہیں ہے، جس کا کام دی میں نہ پڑے اور پھر جب اللہ نے سامان کے ساتھ سفر کرنے کا انتظام کر دیا ہے، تو

کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے؟
"جی ہاں، ٹھیک ہے۔ اپنے مردہ سی آواز میں کہا۔"

لیکن میں نے اس کے لیے میں ہلکی سی بے اعتباری محسوس کر لی اور اٹھتا ہوا بولا۔ چل، ذرا اپنی چھوپداری میں۔ کچھ ضروری باتیں
کریں گے۔"

اس نے ہمی ہوئی آنکھوں سے نسترن کی طرف دیکھا اور وہ جھنجھلا کر بولی۔ "جانا کیوں نہیں؟"

"ماریں نہ کہیں... وہ روہنسا ہو کر بولا۔" بس، اٹھ جا ورنہ میں ہی دو چوتیاں لکھا دوں گی۔"

طوعاً و کرل اٹھا اور میرے چیمے چل پڑا۔ چھوپداری، ہمارے نیچے سے کسی قدر فاصلے پر تھی۔

اس کے آگے بھی سپاہیوں نے الاؤ روشن کر دیا تھا۔ لیکن اس کے آس پاس کوئی موہو نہیں تھا۔ ہمارے خیوں کے گرد خاصے
فاصلے سے سپاہیوں نے دائیے کی شکل میں اپنی چھوپداریاں نصب کی تھیں۔ چار سپاہیوں کا طلایہ گروش کر رہا تھا۔ اُن کے ہاتھوں

میں مشعلیں بھیں۔ قصہ کوتاہ میدان کا زیادہ تر حصہ روشن تھا۔

فیض الحسن نے چھوپداری کے پردے اُلٹ دیے اور اندر الاؤ کی روشنی بھی گئی۔

میں نے فرش پر بیٹھتے ہوئے، اُسے بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اُب بھی سہما ہوا تھا۔

اس طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خلیفہ جی! میں نے بنس کر کھا۔

"خلیفہ جی! اُس کی آنکھیں حیرت سے بچیل گئیں۔ پھر ٹھوک تکل کر بولا۔" اُبے فیض الحسن، ہی میں کیا تباہت ہے؟"

"تو چھاٹھیں۔ پہلے پوری بات منی لیا کر، پھر بولا کری۔"
"جی، بہت اچھا... فرمائیے؟"
"وہی میں سب کے سامنے ہم تجھے خلیفہ جی کہیں گے۔"
"اور ایکٹے میں۔"
"حسب سابق جوئے ہی لگائیں گے۔"

"آپ مجھے جان سے مار ڈالیے... لیکن... مہر..."
"اب کیوں مرا جا رہا ہے۔ اگر وہاں قیام کرنا بھی پڑا تو مہر تیرے پاس ہو گی۔"
"وہ کیسے، یا حضرت؟" اس نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔
"ایک تعویذ دبانے کی دیر ہو گی کہ اُس پر بھی شیخ سندو آجائے گا۔ بھیل بار، اس کی بھابی پر آیا تھا جو تلسی کے پتوں سے
ہماں گیا تھا لیکن، اس بارہہ تلسی کے پتوں سے نہیں بھاگ گئے گا۔ بقال کو ہمارا پتال کا کرو اُسے، ہمارے پاس ہے آماہی پڑے گا،
پھر دیکھیو..."

اس کا چھرہ ہمرت سے دمکنے لگا لیکن کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قریب ہی سے قدموں کی چاپ سنائی دی... اور سپاہیوں کے
دستے کا سردار سامنے مورب کھڑا نظر آیا۔

تمہاری کی اجازت چاہتا ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"آؤ، آؤ۔" میں نے خوش اخلاقی کامنٹاہر کرتے ہوئے کہا۔ تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔
وہ اندر آیا اور میں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تعییں کے بعد کھشکار کر بولا۔
"ایک غلط فہمی کی پشاپر ہم نے غلط جگہ پر پڑا ڈال دیا ہے۔"
"غلط جگہ سے کیا ہر لاء؟"
"یہ راہیں کا علاقہ ہے۔"
"راہیں کون...؟"

"ایک لئیڑا ہے۔ سائٹھ، ستر کی نفری اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن اُس کا طریقہ دوسرا ہے۔ پہلے اس کا ایک سفیر، سفید جھنڈا ہمراہ اُس
آتا ہے اور سالار قافلہ کو راہیں کا پیغام دیتا ہے۔"
"کیا پیغام دیتا ہے؟"
"یہی کہ خزان ادا کر دینے کے بعد ہی اُسے بڑھ سکو گے۔"

"اوہ اگر جواب نفی میں دیا جائے؟"
"سفیر چپ چاپ والیں چلا جاتا ہے لیکن فراہی سی دیر میں وہ اپنی تمام نفری کے ساتھ اپڑتا ہے۔"
"ملل سمجھانی شہنشاہ اکبر کی عمداری میں یہ ظلم ہو رہا ہے۔"
"یہی بارشاہی فوج نے اُن پر حملہ اور ہونے کی کوشش کی ہے لیکن کامیاب نہیں ہو سکی کیونکہ راہیں کے کھوچی، بلا کے لوگ ہیں۔ نہذا ایک
اُندھروں پہلے ہی راہیں کو مکنڈ جملکی طلائع میں جاتی ہے اور وہ اپنے اُمیوں سمیت جنگلوں میں غالب ہو جاتا ہے۔
"اچھا، یہ بتاؤ، ہم میں سالار قافلہ کوں ہے؟"
"خودور کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ جیسے ہی وہ اُسے، اُسے ہمارے پاس لے آنا۔ ہم اُس کے آئے تک یہیں قیام کریں گے... اور ہاں، تم پہنچنے
کرے گے ہو گے؟"
"جی ہاں۔"

"بی بی صاحب سے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا؟"
"تہیں حضرت! اُن سے کیا تذکرہ کرتا۔"
"ٹھیک ہے۔ مٹھی ہو کر جاؤ... اور ہاں، بی بی صاحب سے گھٹے ہوئے جانا کہ ہم دیر تک چھوپداری میں ٹھہریں گے۔"

بہت بہتر حضور۔

وہ چلا گیا اور فیض الحسن خوفزدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

”کیوں مرا جاتا ہے؟“

”اب کے شاید واقعی مرنا ہی پڑے۔“

”کیوں بکواس کرتا ہے۔ جب صرف دو تھے تو مر نہیں سکے اور یہاں تو میں مسکھ اور اعلیٰ درجے کے لڑاکے سپاہی ہمارے ہاتھ ہیں۔“

”ہاں، یہ بات تو ہے... لیکن وہ سانحہ ستہ ہیں۔“

”ستہ بہار بھی ہوں تو کیا غم سے کیونکہ اُپراللہ ہے۔“

لیکن اُس کی تشقی نہ ہو سکی۔ اُس کے جسم کی پکپی صاف نظر آ رہی تھی۔

”اچھا، مہر ان کی باتیں کر، ہم سننے گے۔“

”لگ کیا... نف... فالدہ... اب نے اطمینان... تھا... تو دلادیا ہے۔“

”یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ موت کے خوف سے عشق کا بھوت بھاگ گیا ہے۔ دیکھنا، کہیں تیری لگوٹی بھی تو نہیں لے گیا۔“

وہ کچھ نہ بولا۔ مکر میری طرف دیکھتا ہوا۔

”اچھا تو جا، خیمے میں بیٹھو۔ لیکن اگر تو نے بی بی ساحب کو کچھ بتایا تو تمی زندگی دو بھر کر دوں گا۔“

”مم... میں نہیں بتاؤں گا... مل... لیکن یہ پکپی... یہ تو سب کچھ خود ہی بتادے گی۔“

”اس کے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیجیو، حضرت نے توجہ دی تھی۔ پھر اس کے بعد سکلا سکلا کر زمین، آسمان کے قلبے ملا تا رہیو...“

”ن... نور ہی نور... چچ... چاروں طرف... نن... نن... نن... چل بھاگ۔“

وہ ہانپتا کا پتا ہوا اٹھا اور نکلا چلا گیا۔ میں چھولداری ہی میں بیٹھا رہا۔ پھر آدھی رات گزری تھی کہ کسی تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپوں کی

آوازی سنائی دیں۔ سوار ایک ہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ، مجھے بھی دیکھا دیا۔ اُس کے ہاتھ میں سفید جنبڈا تھا اور اُس کا گھوڑا میدان میں ایک

طرف تھوڑی سی جگہ میں پڑے سیلیقے سے چکر کاٹ رہا تھا۔

طلایہ گرد سپاہی، اس کی طرف پکے۔ تین سوار تو اُس کے گرد گھیرا داں کر کھڑے ہو گئے اور چوتھے نے اپنا گھوڑا، سردار کے خیمے کی طرف

دوڑا دیا۔ نو والد جنبڈا پلاہلا کر طلایہ گردوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔

”تھوڑی دیر بعد، ہمارے دستے کے سردار کا گھوڑا، اسی جانب ٹھٹھا نظر آیا۔ طلایہ گرد سمیت، اُس کے چھپے مزید تین سوار تھے۔ قریب ہی نئے

کر دنوں کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر سردار کا گھوڑا یکخت میری چھولداری کی طرف گھوم گیا۔

راہل کا سفیر، اُس کے چھپے تھا۔ چھولداری کے قریب ہی نئے دنوں گھوڑوں سے اُتر آئے... پھر میرے دستے کے سردار نے بہ آواز بلند

کہا۔ ”راہل بہادر کا سفیر، شرف باریابی حاصل کرنا چاہتا ہے، یا حضرت؟“

”آنے دو۔“ میں نے کڑک کر کھا۔ لیکن راہل کا سفیر، چھولداری کے باہر کھڑا، ایک ٹمک میری شکل دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اچانک اُس

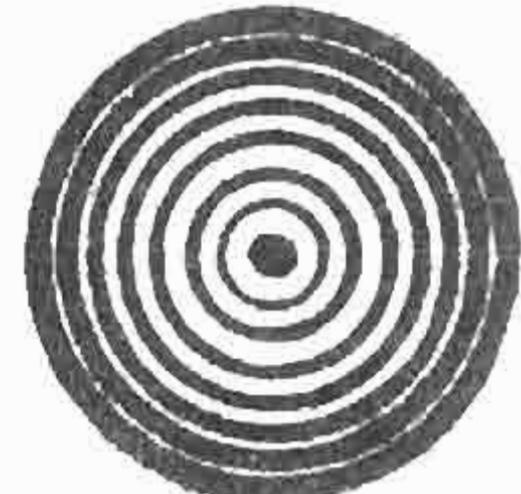
نے نعرہ لگایا۔ ”یا پیر و مرشد؟“ اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

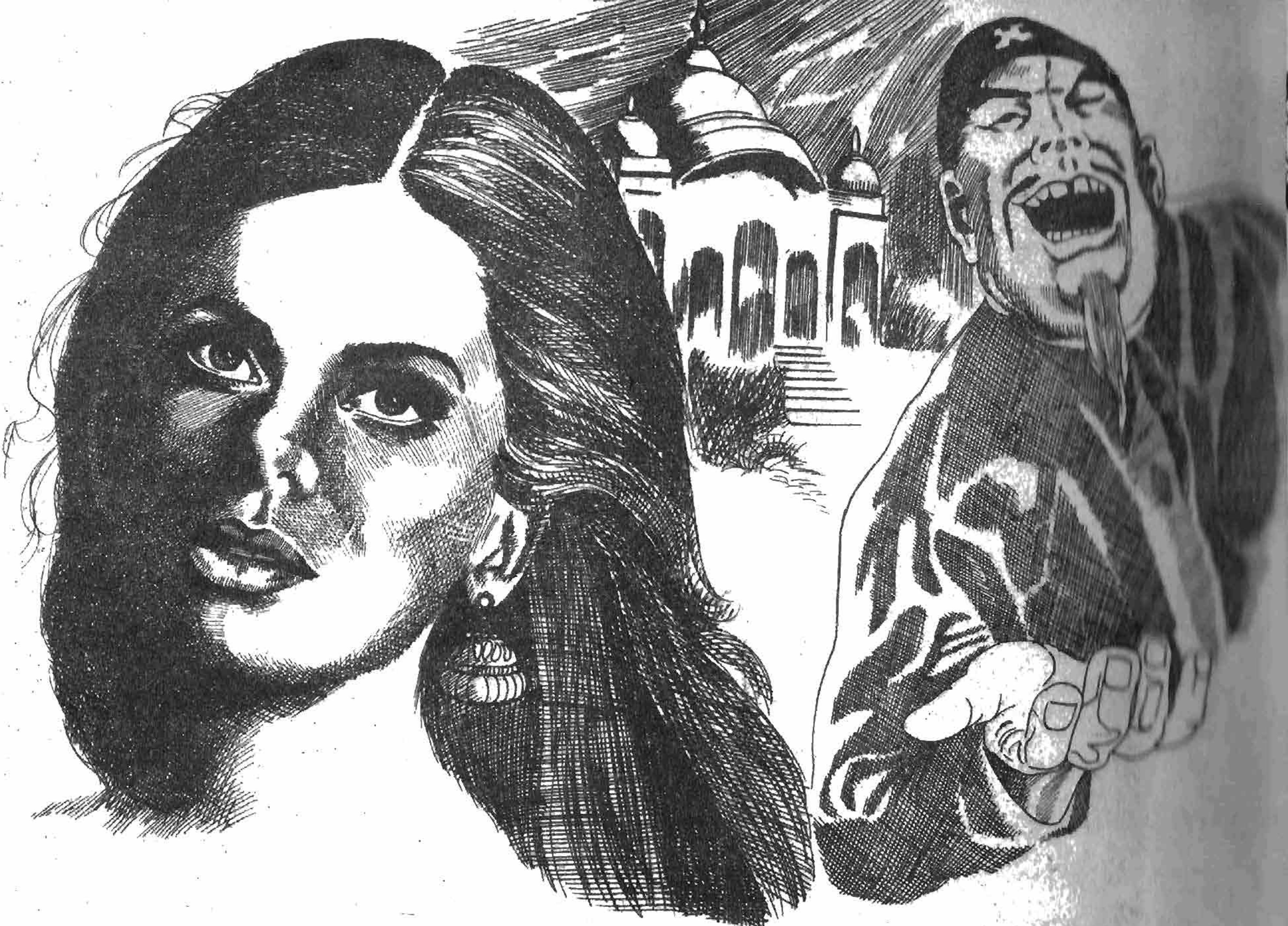
”آ جا... آ جا... گتوں کی طرح چلتا ہوا، اندر آ جا، لیئے؛“ میں نے دانت پیس کر کھا۔

وہ سچی پنج دنوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتا ہوا، اندر آیا اور میرے قدموں میں دھیر ہو گیا۔ باہر سپاہی اور سردار بھی گھٹنوں

کے بل بیٹھ گئے تھے اور میں صاف دیکھ رہا تھا کہ اُن کے جسم کا نپ رہے ہیں۔

(باتھ آئندہ)





ابنی صفحہ



ملائجی کی بیاضی حیات سے چند روزِ فانی اور راق
اُن بُوئون کے بیلے بطورِ خاص جنہیں بیٹھے ہوئے
ڈاکچسٹوں نے اردو دادب کیا لے کر جنمیں کیا
سب سے منفرد اور مقیولِ عام سلسلہ وار کہانی

وہ زار و قطار رور ہاتھا اور باہر عبید الاعدخان کے سپاہی اور سالار حیرت کے سمند میں غوطے لگا رہے تھے۔
”اللہ قرآن! بے شرم!“ میں نے اُسے للاکارا۔ تائب ہوبانے کے بعد بھی، قراقی کو پیشہ بنایا۔ دیکھ تو کسی خبر نہ ہے میں

پیری...“
وہ آئھ گیا اور دوزاتو بیٹھتا ہوا بولا: ”یا حضرت یہ قرآنی تو نہیں ہے۔ سردار راہل اپنی زندگی پڑھ دی رہ ڈالنے والوں سے اُن کا
معاوہ مند طلب کرتے ہیں۔ معاوہ ضم اپنے ملتاتو وہ جنگ کر کے اپنی کوڑی کوڑی وصول کر لیتے ہیں!“

”راہل قرآن ہے تو بکواس نہ کر!“ میں نے گریج کر کہا۔
”یا حضرت کچھ بھی ہو۔ آخر پیٹ کا دوزخ کیسے بھرے۔ آپ نے جس عورت سے میر انکا ح کیا تھا وہ بھی میرنی مفسی سے تنگ
اکر بالآخر مجھے چھوڑ گئی۔ کوئی باعزم پیشہ اختیار کرنے کے کو شرش کرتا تو چاروں طرف قرآن قرآن کی صدائیں بلند ہونے لگتیں جنم
مزدوری کرنا چاہتا تھا بھی لوگ شک کی نظروں سے دیکھتے۔ پھر میں کیا کرتا؟“

”تو مشیک کرتا ہے۔ یہ دنیا دالے تو اچھوں کو بھی یہ ابنا دیتے ہیں۔ تو... تو خیر قرآن تھا ہی۔ ایچا جا اور اپنے راہل سے کہہ دے کہ

پر کسی سردار کا قابل نہیں ہے۔ ایک دوسری ہے جو دلی جانے کے لیے اپنے گھر سے نکلا ہے۔

دفعتاً باہر شور بلند ہوا۔ وجہنگ وجدان کا شور تھا۔ اسلامی گھنکاریں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، یہ سے دو فوجیں ایک دوسرے

سے ٹکرائی ہوں۔ اچانک قرآن چونک کر بولا۔ اُنکے تو شاہی فوج کے نتائے کی آواز ہے۔

۰۰۰ اور پھر بڑی بدحواسی کے عالم میں چھولداری سے نیک گیا۔ ارادہ سردار عبدالاعد خان کی فوج کے سردار نے چھولداری میں داخل ہو کر سرگوشی کی۔ یا حضرت وہ مشیک کہتا تھا۔ یہ شاہی فوج کا مقام تھا۔ آج شاید اُس نے راہل کو گھیر لیا ہے۔

”قیصر تو کیا کہتا ہے؟“ میں نے اُس سے پوچھا۔ ”ہم اُنیں بیشی بائیخی میں پلے جائیں۔ جی بی صاحبہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔“

”یہی بہتر ہو گا کہ آپ وہی تشریف لے جیں۔“ اس طرح میں چھولداری سے نیچے میں پہنچا۔ نسترن بانو واقعی پریشان تھی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے ابوالحسن؟“ اُس نے بے تابی سے پوچھا۔

”ہمیں ایک قرآن نے گھیرا تھا کہ اچانک شاہی فوج نے اس پر حملہ کر دیا۔“

”پھر اُب کیا ہو گا؟“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شاہی فوج عرضہ سے اُس کی تاک میں تھی آج نہیں چھوڑ سکے گی۔“

اچانک میں نے خڑائے سننے اور چونک پڑا۔ فیض الحسن ایک گوشہ میں پڑا سور ہاتھا۔ وکھر کر سخت سخت ہیرت ہوئی۔

”یہ سور ہا ہے؟“ میں نے نسترن بانو سے پوچھا۔

”ہنگامہ مژدوع ہوتے ہی سویا ہے؟“

”او زیادہ حیرت کی بات ہے؟“

”ارے بن رہا ہے مکہت۔ ڈر کے مارے گئی بندھگی ہے۔ ورنہ ایسے میں کون سو سکتا ہے؟“

دل چاہا کہ اٹھا کر دجھوئے رسید کر دیں۔ مگر پھر خاموش ہی رہا۔ بہر حال نسترن بانو کی بات پر بھی اس نے جنبش نہ کی۔ یہی

ظاہر کر تارہ کر بے خبر سور ہا ہے۔

اچانک باہر سے سپاہیوں کے دستے کے سردار نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

”آجاؤ؟“ میں نے کہا۔

”شاہی فوج کا پلہ بھاری پڑ رہا ہے۔“ اُس نے نیچے میں داخل ہو کر اطلاع دی۔ راہل کے آدمی گھیرے میں آگئے ہیں۔“

”لیکن یہ اس وقت شاہی فوج کہاں سے آپنکی ہے؟“

”یا حضرت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے معافی کا خواستگار ہو سکوں۔“

”کیا کہنا چاہئے ہو گئے؟“

”حضرت ملا عبد القادر میلانی کا معاملہ ہے؟“

”میں چونک پڑا۔“

”ہم نہیں مجھے تم کیا کہنا چاہئے ہو گئے؟“

”وہ بادشاہ کے طلب کرنے پر اگیر بخوبی جا رہے تھے۔ راستے میں ہمارے سردار سے ملاقات ہوئی دنوں میں پڑائے تعلقات ہیں۔ آپ کی

روانگی کا ذکر آیا۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ یہ اچھا موقع ہے۔ تمہارے پیارے کو راہل کے علاقے کی طرف سے جایا جائے اور وہیں پڑاؤ ہو۔ شاہی

فوج اس طرح راہل پر قابو پاسکتی ہے۔ بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں اگر نذر کو راہل کا سرمل جائے تو کیا کہنا۔ اعلٰیٰ حضرت بہت دنوں سے اس کی

نگوئیں ہیں۔ ہمارے سردار نے صفات انکار کر دیا کہنے لئے کہ میں اپنے بیوی و مرشد سے فریب نہیں کر سکت۔ بات تھم ہو گئی میکن راستے میں انہوں نے مجھے

ہموار کر لیا۔ میں کیا کہنا تھا حضور کم فرتبہ آدمی اور بادشاہ کے مقرب کی بات کیسے میں مکتنا تھا۔“

”خیر، خیر، کوئی بات نہیں۔ ہم بھی ملا عبد القادر بدایوں کے قدر دان ہیں۔ دربار میں اُن سے زیادہ علم و فضل والا اور کوئی نہیں ہے۔“

”حضور نے مجھے معاف فرمادیا۔“
”ہاں ہاں بھی۔۔۔ لیکن اس کی خوشی ہے کہ ہمارے چینی مرید سردار عبدالاحد نے ملا صاحب کی بات نہیں مانی تھی۔“
”وہ برا بر کے لوگ ہیں حضور۔۔۔“

”تم شیک کہتے ہو۔ جاؤ بے نکر ہو۔ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔“
”وہ قدم بوس ہو کر چلا گیا اور نسترن بانو بیوی یہ تو بہت بُرا ہوا۔“
”ایسا بُرا ہی ہے اسیں بھی۔۔۔“

”میں نہیں چاہتی کہ تم ملا عبد القادر بدمایوں کا سامنا کر دی۔“
”اس میں کیا قباحت ہے؟“
”لیکن مجھے حجاب دینے کی بجائے اس نے فیض الحسن اب اُنھے جا۔ درنہ میں جو تیار لگاؤں گی؟“

”اگر ایک بار بھی تم ایسا کرو تو ہمیشہ کے لیے سُدھر جائے گا۔“ میں نے کہا۔
”میں واقعی ماروں گی اگر دُھا۔“
”وہ ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھے بیٹھا لیکن سامنہ ہی کھانس بھی رہا تھا گویا کھانسی کے دورے کی وجہ سے اُنکھے کھلی نہ کہ نسترن بانو کی دلکشی سے۔“

”سید حاشیہ“ نسترن نے لکھا۔

”بھی بھی صاحب“ وہ بھی ہوئی۔

”تو اتنا دُر پوک کیوں ہے؟“

”کہاں... کہا...“ وہ بونکلا کر چاروں ہطف دیکھنے لگا اور مجھے منہیں لگئی۔

”نسترن بانو نے اٹھا کر راس کے بال پکڑے اور جنہیں ڈکر رکھ دیا۔ لیکن وہ اُسے نظر انداز کر کے بولا۔“ بھی صاحب یہ شور کیسا ہو رہا ہے؟

”قراقوں اور شاہی فوج کے مابین جنگ ہو رہی ہے؟“ میں نے کہا۔

”اچھا... اچھا...“ وہ بھی کر بولا۔ یہ قرآن بھی بڑے سبق ظریف ہوتے ہیں۔ میرے ایک ماموں بھی قرآن تھے۔

”نتاف رہتے ہوں گے۔ تو سُجُول رہا ہے۔“ نسترن جل کر بولی۔

”تو پھر جا کر دیکھوں کون جیت رہا ہے؟“

”ضرور، ضرور“ میں نے کہا۔

”لیکن میرے پاس زدہ بکتر نہیں ہے؟“

”بسترسی پیٹ لے۔“ نسترن بولی۔

”کہیں مجھے غصتم نہ آجائے۔ کیا فائدہ...“

”اگر تو نہیں نکلا بامہر تو یاد رکھ بُری طرح خبروں گی۔“

”میرے پاس تلوار نہیں ہے۔“

”تیکا صاحب کی تلوار لے جا۔“

”وہ بہت دُنی ہے؟“

”اُنھتائے ہے یا اُن تاروں جوتی؟“

”جانے دو۔ خواب میں ہڑپڑا یا ہو گا؟“ میں نے کہا۔

”بھی ہاں عادت ہے۔ تو میں نے کیا کہنا تھا یا پیر و مرشد؟“

”بگوں بندکو ورنہ پئی مجھے مار کھلئے گا“
شود پڑھ گیا تھا۔ نسترن بولی۔ ”کیا یہ خیر محفوظ ہے؟“
”یہاں ادھر کوئی بھی نہیں آئے گا“
”اوہ اگر آئی گئ تو..؟ فیض الحسن بولا۔ میں جلا کر کچھ کھنے ہی دلاتھا کر خیڑے کے قریب ہی قدموں کی چاپ سُنائی دی اوپر دست
کے سردار کی آواز آئی۔

”میں حاضر ہو سکتا ہوں حضور“

”آجھا۔“ میں نے اپنی آواز میں کہا۔

اندر آگئا۔ کھلے ہے کہ اپنے دلاتھا کر خیڑے کے قریب ہی قدموں کی چاپ سُنائی دی اوپر دست
راہل کا صرپیش کروں گے؟“
”کیا اس کے سارے آدمی بھی مارے گئے؟“
”بھی نہیں پچھنچنے نکلے ہیں... اور کچھ قیدی بنالیے گئے ہیں“
”آن قیدیوں میں وہ تو نہیں ہے جو راہل کا سفیر ہیں کہا یا تھا؟“
”بھی نہیں... وہ تو شاید مارا گی؟“
”شاید نہیں۔ یقین کے ساتھ کہو“
”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ باحضرت“
”بس تو پھر قیاس آرائی سے گزر کرو؟“
”بہت بہتر۔ اب اجازت دیجیے؟“
”وہ چلا گیا اور فیض الحسن نے ہٹ کر پوچھا۔ یہ دھالیں کس پیسے سے بنائی جاتی ہیں کہ ان پر توار اثر نہیں کرتی ہے؟
”چکنی مٹی سے بنائی جاتی ہے دھال؟“ نسترن نے زہر پلے پھیلیں کہا۔
”مٹی پر تو اثر کرتی ہے توار؟“

چپوری بات سنائے۔ مٹی کی دھال بنکر اس پر تجھے جیسے کسی بے عیش کھش بھی ہے؟
”وہ ہے ڈھنگ پر سے ہنس کرہے گیا۔“
”اب اسے ڈھنگ پر سے ہنس کرہے گیا۔“
”بھی نصف شب باقی تھی۔ اس مرحلے کے بعد تم سب سو گئے تھے۔ صبح کو طاعبدالا قادر بدایونی کا پیغام طاکرہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں...“
”سنتے ہیں حواس باختہ ہو گیا۔“
”ایسا بھی کیا؟“ نسترن بالو نک کر بولی۔ ”خیر و اخود کو سنبھالو۔ اپنے ذاتی وقار میں فرق نہ ائندہ دینا کیا سمجھے۔ دروز ندی گجر منہ
نہیں لگاؤں گی؟“

”اے تم انہیں کیا جاؤ نسترن بالو۔ میری طرح بھر دپنے نہیں۔ صاحب حال و قال دونوں ہیں ان پر میری ساری حالت منکش
ہو جائیے گی؟“
”ارے بہت دیکھے ہیں؟“ نسترن باونے مٹنے لگا۔ لگھوں میں ایک صاحبی حال ہوتا ہے اور وہ بھی درباروں سے دو رجھا کتا ہے۔
”اے ختم چاہتی کیا ہو؟“
”ڈب کر زملنا۔ وہ ہوں گے درباری؟“

”ہم لوگ خواہ فریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ ڈب کر نہیں ملکر تے؟“
بعد میں سُنائکو وہ خود ہتی بھر طلاقات اُرہے تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ حرم بھی ساتھ ہے تو ٹک گئے۔

”بھر عالیں اُن کے خیڑے میں پہنچا۔ بڑے پاک سے ملے اور مجھے صدر لشیں ہمکے گئے۔ اپنے پاس ہی بٹھا کر خیروت دریافت کرتے رہے۔
”میں تو یہ کہیں ان کی شخصیت سے مرگوب ہو رہا تھا۔“
”شاہ صاحب! اُپ سخنے کا اشتیاق اس وقت سے تھا جب سردار عبدالاحد خاں سے اُپ کا ذکر سنائے تھا۔“
”مدرس شخصی ہیری کہ اُپ جیسا جید عالم مجھے حستیر پر تقصیر سے ملنے کا خواہاں ہو۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اُپ کے برابر بیٹھے سکوں؟“
”شاہ صاحب! ہم سب براہمیں ہماری جزا وزرا مالکی حقیقی کے ہاتھ میں ہے؟“
”بیٹا۔ بیٹا!“
”بیٹک ہے کہ اُپ اندر سے خالی میں میکن جو کچھ بھی ہیں لاٹی عترت ہیں؟“
”میں نہیں بھما ماندہ سے خالی ہونے کا مطلب...“
”اُپ خیقتاً صاحبی حال نہیں ہیں۔ اتفاقات نے اُپ کو اس سخنے پر پہنچا دیا میکن اُپ طبائع اور ذہن ہیں ہیں۔ دراصل یہی چیز اس طلاقاً
کا ہر کیا ہے۔ اب ہیری گزارش ہے کہ اس طرزِ زندگی کو ترک کر دیجیے۔ از روئے نجوم اُپ دشواری میں پڑھائیں گے اگر طرزِ زندگی نہ بدلے؟“
”یقین قریب یا یا حضرت میں اپنی موجودہ زندگی سے بیزار ہوں۔ میکن بھوکون کیسے اس دلدل سے؟“
”ہم اُپ کی ہر ممکن مدد کریں گے؟“
”تب پھر احضرت مجھے نکال یجیے اس مدلد سے میکن میری الہیری شاید اس پر راضی نہ ہو؟“
”ہاں... اچھا ہوا کہ اُپ نے اپنی کی بات بھی چھڑ دی ہے۔ اب اُپ فوراً اس سے نکاح کیجیے۔ دروز میں حد جاری کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے؟“
”تملکی پناہ اُپ یہ بھی جانتے ہیں؟“
”میں صاحبِ حال نہیں ہوں۔ یہ تو میں نے از روئے نجوم معلوم کیا ہے؟“
”اور یہ بھی معلوم کیجیے کہ میں ابھی تک گھنگار تو نہیں ہوا؟“
”اُپ کی یہ صوصیت بھی ہیرے یہے باعثِ کھش بھی ہے؟“
”میکن یہاں عبدالاحد کے سپاہی بھی موجود ہیں۔ انہیں اس نکاح کی خیر موئی تو کیا سوچیں گے؟“
”کسی کو کافوں کا ان جبر نہ ہو گی۔ ہیرے چار معمتمادی وکیل اور گواہ ہیں۔ اور یہ کام بھس و خوبی انجام پا جائے گا؟“
”میں تیار ہوں یا حضرت؟“
”بس تو پھر انہیں جا کر مژدہ سنائیے کہ ان کی عرصے سے ہی خلاہش رہی ہے اور اس کے بعد اُپ دونوں ہیری زیرِ کفالت ہوں گے؟“
”اس پر شاید وہ راضی نہ ہو؟“
”اُپ جا کر ان سے قفل تو کیجیے؟“
”میں عجیب بدحواسی کے عالم میں ان کے خیڑے سے نکلا اور اپنے خیڑے کی طرف چل پڑا۔ نسترن بھی میکن سے میری واپسی کی نظر تھی میں نے
سب کھڑھے بتا دیا۔ نکاح کی خوشی میں دیوانی ہو گئی دروز میرا خون ہی پی جاتی کیونکہ میں ملا صاحب سے دب کر ملا تھا۔
چھڑا کیک ساعت کے اندر ہم ایک دوسرے کے محروم ہو گئے۔
نسترن بالو خوش بھی تھی اور متقلہ بھی۔ میں نے تردد کی وجہ پر جھپٹی تو جھنکا کر بولی۔ ”میری اتنی دونوں کی محنت پر ملا نے آن کی آن میں پانی
پھر دیا۔“
”میں نے کہا۔“ نیک بخت! میں تو عرصہ دراز سے اس فکر میں تھا کہ گناہوں کی اس مدلد سے کس طرح نکل جاؤں؟“
”بس اُب زندگی بھر لڑاکی جوتیاں سیدھی کرتے رہنا...“
”اُب جو کچھ بھی ہو؟“
”وہ مٹھوں لٹکے بیٹھی رہی۔ میں تو سمجھا تھا کہ نکاح کا مژدہ اُس کے جسم میں نئی روح پھونک دے گا لیکن اُس کے چہرے کا اضلال
دیکھ دیکھ کر مجھے عصداً آنے لگا اور میں بھر طلاقات اُس صاحب کی خدمت میں عاضر ہو کر بولا۔ یا حضرت میرا ایک مریض الحسن بھی ہے؟“

ملا صاحب نے فرمایا اب اسے آزاد کر دو۔ اور ہاں اب تم ہمارے ساتھ اجیہو جل رہے ہو۔
”یا حضرت میری نوچر تو دلی جانا چاہتی تھی۔ نظام بھی کے آستانے پر“

”وہ بعد میں ہو جائے گا۔“
”بس کیا بتاؤ حضرت بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ وہ عورت کسی طرح بھی راہِ راست پر آنے پر تیار نہیں۔ میرے مُردی کو میں دم بخود رہا۔ سوچ رہا تھا کہ اس پر نہیں پڑتا تھا۔“
”اس کیا تھا کہ اس پر کامیابی کی خانقاہ تعمیر کروائے گی اور ان کی خلیفہ سمجھا دیں گے۔“

”یہ شاہ لولوائی کون ہے۔“

”آئی کی ایجاد ہے۔“ کہہ کر میں نے شروع سے نسترن بانو کی ہمانی سنائی۔ ملا صاحب سن کر بہت ہنسنے پھر بولے۔ ”اچھی“

”کیوں ہے۔“
”آس لالپھی عورت نے آج تک مجھے اس دلدل سے نہ نکلنے دیا۔ اب ساری جمع پوچھی پر قابض ہو کر مجھے بالکل قلاش“

”بس تو تم پھر ہمارے ہی ساتھ قیام کرو۔ اُن پر فاک ڈالو۔“ میرے پیٹ کی معلم تھا کہ اپنے حضرت شاہ لولوائی کا دامن چھوڑ کر ایک درباری کا دامن پکڑ لیں گے۔

”لیکن میر اکیا ہو گا۔“
”دیکھو ابوالحسن تم ایک ذہن آدمی ہو! میں تمہیں دنیاوی علوم میں طاق کر دل گا اور پھر دربار میں تمہیں متعارف کراؤں گا۔“

”وہ بہتی ہے کہ تم بھی بدعتی ہو جاؤ گے لیکن ظل سبحانی کو سجدہ کرو گے۔“

”یہ تمہاری ذہانت پر مبنی ہو گا کہ تم کس طرح خود کو اس سے بچائے رکھتے ہو۔ ہمیں دیکھو کہ ہم نے آج تک سجدہ تھیں۔“

”میں نے اس سے یہی کہا تھا یا حضرت! اور یہ تو بہت مشہور بات ہے درہ مجھے کیونکہ عسلم ہوتا کہ اپنے ظل سبحانی نہیں کیا۔“

”اس کا انحصار اپنے ذاتی رکھ رکھاؤ پر ہے۔ بادشاہ کو اس طرح متأثر کرو کہ اپنی شرائط پر دربار سے منسلک رہ سکو!“

”میں نے تو خود کو اپ کے حوالے کر دیا ہے۔“

”اور تمہیں اس پر افسوس بھی نہ ہو گا۔“ میرے پیٹ کی عقیدت ہندی ہیں۔ میرے پیٹ کی عقیدت ہندی ہیں۔
”لیکن یہ تمہارا غم نہیں ہے۔“

”میں بالکل تیار ہوں یا حضرت۔“

”تم میری زوجہ ہو۔“

”ملا عبد القادر کا پڑھا ہوا نکاح میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگرے سارے درباری کافر ہیں کہ اسے سجدہ کرتے ہیں،“

”میں دم بخود رہ گیا۔ بات پتے کی تھی۔ بہر حال وہ مزید شیخ کو بولی۔“ میں دم بخود رہ گیا۔ بات پتے کی تھی۔ بہر حال وہ مزید شیخ کو بولی۔“

”میں گوشٹ پورست کے آدمی کو؟“

”ملا عبد القادر بدایوں واحد درباری ہیں جنہوں نے آج تک اگر کو سجدہ نہیں کیا۔ وہ ان کے علم و فضل سے اتنا مربوب ہے کہ اس کے باوجود“

”سُنی سنائی باتوں پر میں لعین ہیں کرتی؟“

”میں تو یقین کرتا ہوں کیونکہ میں نے خدا کو بھی دیکھا ہیں ہے۔“

”میں نے بھی شاہ لولوائی کو دیکھا ہیں ہے۔“

”ایسا محسن تم بنیادی طور پر ایک ایمان دار آدمی ہو۔ میں نے یہی محسوس کیا ہے۔“

”میں پر زیادتی ہیں کیونکہ میں چاہیے جتنی بھتیاں لگائیں۔“

”میں بھی غرور کو دل میں جگہ نہ دیتا۔“

”میں تو یقین کرتا ہوں کیونکہ میں اور ایمان لایا ہوں اُس پر۔“

”میں نے بھی شاہ لولوائی کو دیکھا ہیں ہے۔“

”میں بھی منتظر ہے بی بی صاحب!“

"یا حضرت۔ اب تو آپ کا خادم ہوں۔ احکامات سے مزروع اخراج نہیں ہونے دوں گا۔ آج شاید میں شکر کی

نیزند سو سکوں پیرا صیریہ زاد بہو جکھا ہے۔" اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ ایماندار افراد کے لیے دربار کی زندگی کا نٹوں کا بستر ہوتی ہے۔

"میں سمجھتا ہوں یا حضرت؟" "ہماری دربار سے وابستگی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم بادشاہ کو صراط مستقیم پر رکھنے کی کوشش کریں۔"

"بجا ارشاد فرمایا۔" "ان دنوں بادشاہ پر غیروں کا اثر و نفوذ بہت زیاد ہے۔" "جی وہ تو ہے۔ دنیا جانتی ہے۔"

"اس کے لیے مجھے کام کرنا ہے۔" "بہت ضروری ہے یا حضرت۔"

"بس تو تم... بھی... اسی لیے جائے جائے ہو۔" "میری خوش نصیبی۔ ابھی تک تو گناہوں کی دلدوں میں پچھسوارا ہوں۔"

"جب بھی ہوش آجائے۔ اللہ عاف کرنے والا ہے۔" "یا حضرت؟ میں نے عمرن کیا؟ ذہنی طور پر ہم دنوں بہت درجا پڑے ہیں۔ اب زناہ کیسے ہو گا۔"

"جاوہر نشکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کسی معاملے میں بھی زوجہ پر جبر نہ کرنا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا اور نیچے کی طرف پڑ پڑا۔ نیچے کے برابر ہی فیض الحسن کی چھولداری نصب ہوئی۔ بیٹھا گلہر

لنزن پلے ہی سے بھری بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اُرچی، "یہاں کیسے ہو؟"

"کیوں؟ کیا یہ میرا خیسہ نہیں ہے۔" "نہیں یہ صرف شاہ لوٹائی کے عقیدت مندوں کا خیسہ ہے۔"

"اس کے باوجود بھی تم میری زوجہ ہو۔" "بس بس... زبان نہ ٹھلواؤ۔ ٹھداری ہونے کے ذریعے تم نے نکاح کیا ہے۔ اس میں خلوص کو دخل نہیں ہے۔"

لہذا اس کی توبات ہی نہ کرو۔ اگر مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی توجہ سے مار دوں گی۔" "یا مظہر العجائب! یہ کیا ہو گیا۔ یہ تو مری جارہی تھی نکاح کے لیے۔ یہ آب کیا ہو گی۔ کیا محض اس نے نکاح کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کی کمائی کا ذریعہ تھا۔ خداوندا۔ یہ تو کچھ اچھا نہیں ہوا۔"

"اچھا۔ اچھا۔ پہلے بھی ہم محض دنیا کو دکھانے کے لیے ساختہ ہتھے۔ تھے۔ اب بھی رہیں گے؟" "پہلے اچھے لگتے تھے۔ اب صورت حرام نہ گے۔"

"دیکھو! اب میں تمہاری بذبائی برداشت نہیں کر سکوں گا! میں نے آپ سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔" "وہ کھم کھا کر انہکھڑی بُرُثی اور انکھیں نکال کر بولی۔" کیا بگاڑ لو گے میرا۔" "کچھ نہیں؟ میں نے یہ بسی سے کہا۔"

"خریت اسی میں ہے کہ زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا اور میرے معاملات میں دخل اندازی ہرگز نہ کرنا۔" "اچھا بابا معاف کرو۔ بعدھر کہو پڑ رہوں۔"

"میں اب تمہارا قرب پسند نہیں کر رکھیں گے۔" "دیکھو۔ اجیر شریف ہو پچھنے تک کسی نہ کسی طرح گزارو۔ وہاں پیوشخ کر جو دل چاہے کرنا۔ میں قطعی دخل اندازی نہیں کروں گا۔"

"چاہو فیض الحسن کی چھولداری میں پڑ رہو۔ یہاں گنجائش نہیں ہے۔" "میں جو نچکا سارہ گیا۔ یاخدا دیکھتے ہی دیکھتے ہی کیا ہو گیا۔ کیا واقعی اس عورت کے جسم میں کوئی بدر روح حلول کر گئی ہے۔ اسے یہ میرے لیے روئی تھی۔ فریاد کری تھی۔ اب اللہ نے دھنگ سے زندگی بسر کرنے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا ہے تو اس قدر بے مردی سے پیش آ رہا ہے۔

"بہت زور کا اعفتم آیا تھا۔ میکن حضرت ملا صاحب کا خیال آتے ہی سکون ہو گی۔ امّا اور باہر نکلنے کا تسلی پر وہ بولی دیکھو نہیں دار فیض الحسن سے اُبھجھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اپنابتر بھی اٹھا لے جاؤ۔ یہاں کوئی لوئڈی غلام موجود نہیں ہے کہ درباری صاحب کے دیکھے پیچھے پہلے گا۔"

فیض الحسن نے ابھی چھولداری کے بند نہیں باندھتے تھے۔ مجھے اس حال میں دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اٹھ کر بترا تھے میں کیا سے کیا ہو گیا۔ خداوندا یہ آدمی ہی میں یاد رہے۔

لیا اور آہستہ گرد گرانے لگا۔ "میں اب بھی پہلے ہی کی طرح خادم ہوں... مل لیکن؟" "خاموش رہوں میں سمجھتا ہوں۔ کچھ بھنے کی ضرورت نہیں؟" میں نے کہا اور وہ خاموشی سے ایک طرف میرا بترا چھانے لگا۔ "میں تو مفت میں مارا گیا۔ نہ دین کارہ اور نہ مرتیا ہا! وہ بڑا بڑا تھا۔" بی بی صاحب مجھے زندہ نہ چھوڑیں گی الگ میں نے ان کا ہمنام مانا۔

"قیامت کا دن زیادہ دور نہیں ہے۔ سب قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ اور جب میں اطمینان سے سیمہ گیا تو فیض الحسن نے آہستہ سے پوچھا۔ "آپ یہاں کیسے۔"

"ظاہر ہے کہ نترن باز نے مجھے خیمے میں نہیں رکھنے دیا۔ سبھنے لگی جاؤ چھولداری میں پڑ رہو۔" "کیا آپ نے حضرت شاہ لوٹائی کی بیعت فتح کر دی؟"

"میں نے نہیں کی، ملا صاحب نے فتح کرائی ہے اور اپنا میریہ کیا ہے۔ ارے ظالم وہ سچ مجھے صاحب حال ہی میں

آن کے پروں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔" "آہستہ بولیے کہیں مجھ پر بھی عتاب نہ نازل ہو جائے۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اجیر میں اپنی خانقاہ تعمیر کریں گی اور میں خادم کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"وہ سمجھتی نہیں۔" میں نے کہا۔ "عورت اس راہ میں نہیں چل سکتی۔ کوئی بھی اُسے تسلیم نہیں کرے گا اور اسی بے عقی

ہو گی کہ نترن کسی کو نہ کہانے کے قابل نہیں ہے گی۔" "ملکا نہیں کون سمجھائے..."

"خدا سمجھائے گا۔ جس نے مجھے سمجھایا ہے۔" "میں تو کسی طرف کا بھی نہ رہا۔ نہ عشق مجازی، نہ میں کامیابی اور نہ... میں عشق مجازی میں کامیابی کے بغیر عشق تحقیقی کا کیا ذکر ہے۔" "درود پاٹا ہو گر بولا۔"

"جسے افسوس ہے کہ مہر تجھے نہ مل سکی۔" "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ خانقاہ ہمیشہ کے لیے چھوٹ رہی ہے تو کسی طرف چل دیتا آپ کی طرف ہرگز رُخ نہ کرتا۔ میں تو سمجھا تھا کہ بی صاحب آپ کو خانقاہ میں واپس لانے کے لیے جا رہی ہیں۔"

"مقدرات فیض الحسن۔ صیر کر!" "محبوبی کا نام صیر ہی ہے۔ اب دن رات ان کی چھوڑکیاں سہوں گا اور بخوبیاں کھاؤں گا۔ آپ تو ایک وقت غصہ کرتے تھے تو دوسرے وقت اتنی مہر بانی سے پیش آتے تھے کہ ساری کوفت دھعل جاتی تھی۔"

"چھر کھوں کا مقدرات۔ اُوہ۔ دیکھو شاید لگر خانے سے کھانا آیا ہے... اس کا کھانا اُسے پھوپخا کر میرا اور اپنا

زادہ حضرتی لیتا آئیوڑی

دہ چلا گیا اور میں سوچنے لگا۔ کاشش یہ نکاح نہ ہوا ہوتا اور میں دہلی ملا صاحب کے آس پاس ہی رہتا۔

واہرے نسترن بازوں میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اہل تو اس طرح انکھیں بھیرے گی۔ ہائے ڈینا کو کیا ہو گیا ہے۔ اتنے

دفول کی رفاقت اس طرح ٹوٹ گئی کہ دُنیا تو ہمیں زن و شوہر سمجھے گی اور یہاں یہ احوال ہوں گے۔ کیسی ذلت کی زندگی ہے۔

بحوری دیر بعد وہ داپس آیا میکن صرف میرا ہی کھانا لایا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کوئی گزارنے لگا۔

"میں کیا کروں۔ وہ ہی کہہ رہی ہیں تو خیمے میں بیٹھ کر کھا اور آپ کا کھانا یہاں چھولداری میں پہنچا دیا جائے۔"

دل چالا کر اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالوں۔ جبراً و قہراً کھانے کا تھال اُس سے لیا اور زہر والے کمرے نے لگا۔ وہ واپس چلا گیا۔

چھولداری خیمے سے زیادہ دُر نہیں تھی۔ میں نسترن بازو کے قہقہے سن کر سلکتا رہا اور خون کے گھونٹ پتارتا۔

جیسے تیسے کچھ تھاپی کر۔ برتن بڑھا دیئے اور فیض الحسن کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

وہ آیا تو اس طرح بسوار رہا تھا جیسے سچ مجھ پٹائی ہوئی ہو۔ میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن وہ میری طرف سے

منزہ پھیر کر میرے خالی کیے ہوئے ترقی اٹھانے لگا۔

"کیا بات ہے فیض الحسن؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

لکھی خواری ہوئی ہے۔ مل ہنگ کیا تھا اج کیا ہو گیا۔ خیر کچھ بھی ہو ڈہن سے وہ بوجھ توہٹ گیا جو اٹھتے یعنی گلا و باتا رہتا تھا۔ کی میں اس جھکڑے کا ذکر ملا صاحب سے کروں یا نہیں ہے۔ سوچتا رہا اور آخر کار ہی فیصلہ کیا کہ ان سے اس کا تذکرہ نہ کیا جائے جو کچھ بھی مچھ پر گزد رہتا ہے۔

بحوری دیر بعد فیض الحسن واپس آیا اور میری طرف سے رُخ موڑ کر لیٹ رہا۔ میں بھی خاموش رہا۔ اُسے چھین ڈالنا ب

بُوں توں رات گزاری اور صبح ہوتے ہی ملا صاحب کے خیمے میں پہنچنے لگا۔ مجھے دیکھ کر منکرائے اور فرمایا۔

"نکرنا کرو، ثابت قدم رہو۔ اللہ امتحان بھی لیتا ہے۔ ایک دن اُسے سچتا دا ہوگا۔"

"یا حضرت! اگر مجھے شرعی طور پر اُسے اپنے اور پر مشکل کرنا ہوتا تو کبھی کا کچھا ہوتا۔ میں تو بس اُس کے چندے میں پھنسا ہوا تھا۔"

"خیر... خیر... ہم نے بھی جو کیا دہی مناسب تھا۔ اگر جیسی پہنچ کر تم سے علیحدہ ہونا چاہے تو تم تعریف نہ کرنا۔"

"ایسا، ہی ہو گا یا حضرت؟"

سفر پھر شروع ہو گیا اور ہمارا قافلہ شام ہوتے ہوئے اج بھیر شریعت کی حدود میں داخل ہو گیا۔

شاہی اشکر جہاں فروکش تھا۔ وہی ملا صاحب کے قافلے نے بھی خیمے نصب کر دیئے اور ملا صاحب کو اُسی وقت بازیابی کی اجازت مل گئی وہ تشریف لے گئے اور میں خیمے ہی میں رہا۔ راہل کا سر اُن کی مٹھی کی سردار اس تھے لے گیا تھا۔ نسترن قافلے سے الگ نہیں ہوئی تھی۔ اُس کا خیمہ اور فیض الحسن کی چھولداری بھی اُسی میدان میں نصب ہوئی تھی۔ میں نے کہا ذرا اُن کے زندگی ہنگی دیکھ لوں۔

فیض الحسن شاید میرا ہی منتظر تھا۔ تڑپ کر اپنی چھولداری سے نیکلا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"یا حضرت! اپنے خیمے میں تشریف نہ لے جائیں تو بہتر ہے۔" اُس نے پکپاٹ ہوئی آفاز میں کہا۔

"میں تیرے پاس آیا تھا۔ مجھے اُس خیمے سے کیا سروکار، اُس میں تو ایک بد روح فروکش ہے۔"

"اندر تشریف لے چلیے!" اُس نے اپنی چھولداری کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ کا بستر لگادیا ہے۔"

یہ چھولداری میں پہنچا اور اُس نے دم لیے بغیر کہنا شروع کیا۔ "آپ تو ایسا لگتا ہے جیسے بی بی صاحب کا دماغ ہی اُٹ گیا ہو۔ اول فول بھتی رہتی ہیں۔ مجھ سے بھی کہہ دیا ہے کہاں کی نظروں کے سامنے نہ آؤں!"

"یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ شیطان ہمگیا ہے اُس کی کھوڑپری میں۔"

"یہ تو آپ ہی جانیں لیکن میں بڑے عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

"کیوں کیا ہو، پوری بات کیوں نہیں بتاتا۔"

"بس ملا صاحب کو بڑا جھلا کر جا رہی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہیں کوئی سُن نہ لے کہ یہنے کے دینے پڑ جائیں۔"

"تو اس فکر میں نہ پڑ پوچھا۔ مجھے بھی نیندا آرہی ہے۔"

وہ لیٹ تو گیا لیکن اب بھی بڑے عذاب میں جا رہا تھا۔ چھار چانک لٹکر سے کھانا آگیا۔ مجھے تو لٹکن کی وجہ سے بھوک بھی نہیں لگ

رہی تھی۔ بس یہی دل چاہتا تھا کہ کسی طرح سوچاؤں لیکن چھڑا ٹھندا ہی پڑا۔ نسترن بازو کا کھانا خیمے میں پہنچا کر وہ پلٹ آیا۔ اور

ہم دونوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ میری پلٹیں نیندے سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ بخوبی بہت کھایا اور بچھر برتن سر کا کربستہ برگرا ہوں تو

اسی بھر کی اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھلی تھی۔ صحیح کے مژدے نے گویاں مردہ میں جان ڈال دی۔ بشکر کی جماعت میں نماز فخر ادا کر کے

ملا صاحب کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ وہ اور دو وظائف میں مشغول تھے لیکن مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فارغ ہو کر سب سے پہلے ہی

سوال کیا کہ اس کیسی نگری۔ بخوبی تو بول نہیں سکتا تھا سچ سچ عرض کر دیا۔ شن کر تسمیم فرمایا اور بولے۔

"صبر کرو کہ صبر کا پھل میٹھا ہے۔"

میں کیا کہتا۔ اگر صیر کے پھل سے مُراد نسترن بازو تھی تو وہ کبھی میٹھی نہیں ہو سکتی۔

ناشترے میں نے ملا صاحب کے ساتھ ہی کیا۔ کچھ اور دن نکلنے پر انہوں نے نسترن بازو کے پاس ایک قادر روانہ کیا جس سے

کھلوا جیتا تھا کہ الگ وہ اب قافلے سے علیحدہ ہونا چاہے تو اُنہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ چھر مجھ سے پوچھا۔ "تمہیں تو کوئی

اعتراف نہیں ہے۔"

"یا حضرت! مجھ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"جہاں پناہ راہل کا سردیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے خلعت سے نوازا اور اب میں یہ خلعت تمہیں دے رہا ہوں۔"

کیوں نہ تھا رہی وہی سے یہ محکم سر ہوا تھا۔

میں نے خلعت کے کمر پر رکھا اور بولا۔ "چونکہ یہ آپ کا عطا ہے اس لیے ہمیشہ میرے سر ہی پر ہے گا۔ اسے پہنچنے کی بڑات ہیں کر سکتا۔"

حضرت نے تسمیم فرمایا۔ کچھ بولے نہیں۔

بحوری دیر بعد قادر نسترن بازو کا جواب کے کر آگیا۔ اُس نے کھلوایا تھا کہ وہ اپنے شوہر کو بخوبی کہا جائے گی۔

کہیں اور جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت نے میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ "کیوں ابوا الحسن ہم نے کیا کہا تھا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے یا حضرت! لیکن وہ میرے سینے پر منگ دلتی رہے گی۔"

"برداشت کرو جیسی بھی ہے۔ ہر مسلمان مرد کافر ضم ہے کہ بد مزارع سے بد مزارع عورت کو برداشت کرے۔ اس سے اُس

کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔"

میں کچھ نہ بولا۔ کیوں کہیں میرے ساتھ اُس کے روئے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ بدستور مجھے جلا تی۔

کڑھات ہے گی۔

"آپ خیمے میں جا کر دیکھو کیا کہتی ہے۔" حضرت نے فرمایا۔

ٹوٹا اور نسترن بازو کے خیمے کی راہی۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ مجھے زیچ کر رہی ہے۔ جو کچھ سوچا تھا وہی پیش

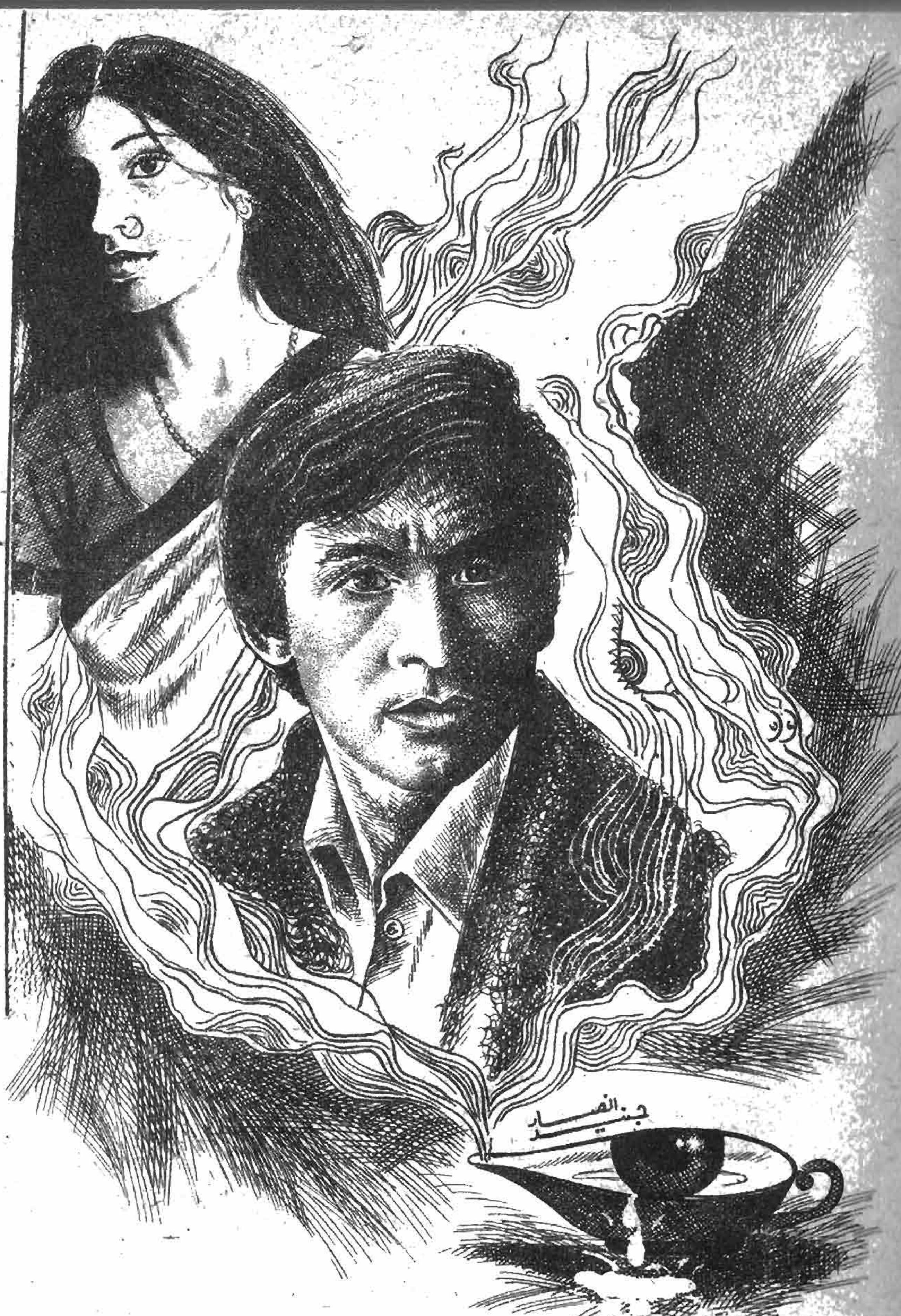
ایا۔ فیض الحسن خیمے کے دروازے پر جما کھڑا تھا۔ دور ہی سے ہاتھ بخوبی جوڑ کر مجھے پلٹ جانے کا اشارہ کرتا رہا۔ میں نے ٹھنڈی

ساتھی اور اُس کی چھولداری کی طرف تُر گیا۔

(باتی آئینہ)



الآن صفحه



مشکم ہے تو آپ نے کئی سُنہ بھول کے لیکن آج ایک یاسع مشاکم ہے کا احوال پڑھیں جو آغاز سے انجام تک قیقہوں کی خفل ہے۔ حقیقت ایسی کہ فسائے کامل کمز میں تجھیل ایسا کہ حقیقت پر چھا جائے۔ یہی اس پیکل کی مخاصیت ہے اور اس سے بھی طی مخصوصیت یہ کہ اسے جنابِ این صفائی نے اس آمانے میں لکھا جب وہ طغیل فرعان ہوا کرنے لگے۔ ذالفہ بڑھنے کے لیے ایک چھٹ پیٹی دش



اردو مڈل فیل ہونے کے بعد میں نے پان سگریٹ کی ایک چھوٹی سی دکان بھول لی۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آج کل بی۔ اے اور ایم۔ اے پاس لوگوں سے کوئی جوستے پالش بھی نہیں کروتا یا یہ سمجھو لیجئے کہ یہ لوگ اپنی نامعمولیت کی پناپر خود نہیں کرتے۔ لہذا میں نے سوچا کہ مڈل پاس کرنے میں جتنا عرصہ لگے کا اتنے دنوں میں کم از کم میں اپنے پیروں پر تو ضرور کھڑا ہو جاؤں گا... اور پھر اگر میں نے مڈل پاس بھی کر لیا تو کون سا بڑا تیر ماروں گا جب کہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں سے لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ

محظی نکتہ چینیوں سے یوں بھی انتہائی نفرت ہے۔ اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تجارت کی جائے۔ ابھی تجارت کرتے ہیں ماہ ہی ہوئے تھے کہ اچانک ایک حادثے کے تحت شادی بھی کرنی پڑگئی۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گئی کہ میری بیوی کو جہیز میں ایک بھینس میں۔ یہ عمارت جو آپ دیکھ رہے ہیں نا... یہ اسی بھینس نے بنوائی ہے۔ آپ تعجب کریں گے لیکن میں آپ سے حلسفیہ کہتا ہوں

یہاں تک مکھنے کے بعد، میں سوچتے لگا کہ قدرتیں یعنی موقع پر کچھ اشعار بھی ہونے چاہئیں۔ لہذا میں نے تقریر کو فوراً ہی سنبھال منفعت بخش ہوتی ہے۔ میں آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا اور آج تو خیر سے کئی شہروں میں میری ذمیریاں ہیں۔

”بھائیو! مجھے یہ شعر بہت پسند ہے۔
آیا کرو، اوہ بھی مری جان کبھو کبھو۔“

ایک بار مخفی جان اس شعر کو گاری بھی۔ سماں بندھا ہوا تھا کہ اچانک میں وہاں پہنچ گیا۔ جس وقت اُس نے ”کبھو کبھو“ کی تکڑا شروع کی۔ مجھے ٹوکن کی قہوگئی اور عرصے میں بنتا رہا۔ اب بفضلہ بالکل ٹھیک ہوں لیکن ابھی تدریس نقاہت باقی ہے۔ اگر مر جاتا تو یہی ہوتا۔

لیے پھرتی ہے بُلُلُ، چونچ میں گلُّ۔

شہید ناز کی تربت کہاں ہے۔
شہید ناز... اُف! اشاید آپ کو یاد ہو گا کہ آغا حشر کپنی نے ایک ڈراما شہید ناز کھیلا تھا۔ صاحب مجھے تو بہت پسند کیا تھا۔ سماں بار ضرور میں نے اس کھیل کو دیکھا ہو گا۔ اس میں ایک لڑکی کام کرتی تھی۔ اُس کا نام ”گل خیر“ تھا۔ ہائے ہائے کیا چیز تھی! .. گل خیر اپکے دو اکا بھی نام ہے جو بواہی سے اکیرہ ہے۔ بواسیر چاہے ٹوکن ہو یا بادی، گل خیر کو ابھی کرچا جیس دن، صحیح و شام پی لیجئے۔ خدا نے چاہا تو بالکل آزم ہو جائے گا۔ یہ ایک فقیر کا بخشنہ ہوا نہ ہے۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ اردو کے بہت بڑے شاعر محمد غالب علی صاحب کے پاس برہان قاطع کے کئی شعر تھے لیکن میری سمجھ میں آج تک نہ آس کا کہ یہ براہن قاطع کون سی بیواری ہے۔ ممکن ہے پرانے زمانے میں رہی ہو، اب نہ ہوتی ہو...
کون جانے...“

میں ایک بار پھر آپ سے کہوں گا کہ آپ نے مجھے بھی اُتوکے سچے کو ناچ صدر بنایا... خیر! آپ آپ نے مجھے اس لائق سمجھا ہے تو میں خدا کو حاضر فنا ناظر جان کر کہتا ہوں کہ ہر ماہ ایک مشاعرہ کیا کروں گا لیکن میں ایک بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ مشاعرے میں بہت زیادہ ”واہ، واہ“ نہ کیا کیجئے۔ جب کوئی شعر پڑھتا ہے اور آپ لوگ ”واہ، واہ“ کرنے لگتے ہیں تو نہ جانتے کیوں مجھے ایسا عالم ہوئے لگتا ہے جیسے ایک گتاسی اُپنی جگہ میٹھا ہونک رہا ہو اور مجھ نیچے سے ”دُت دُت“ کر رہا ہو۔ اس یہے اپکے داہ داہ نہ کیجئے...“
ایک بات اور... مجھے یہ دیکھ کر بہت دُکھہ بہتا ہے کہ ہمارے شعر اے کرام اپنی صحت کی بالکل پروانہ ہیں کرتے۔ چاہے شراب اور سکریٹ کثرت سے پیتے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی بجائے وہ خالص دُودھ اور تازہ مکھن استعمال کریں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان کی شاعری کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ میں، آپ سے قسمیہ کہتا ہوں بلکہ حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ میری ذمیریوں میں آپ سمجھ شرط خالص دُودھ اور خالص مکھن پائیں گے۔
آپ کے شہر میں بھی میری ایک ذیری ہے۔ اگر آپ کو قیمیں نہ آئے تو آنماش کر کے دیکھ سکتے ہیں۔“

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کر دیں گا کہ آپ نے مجھے بھی نالائق اور جانگلوکو کو اپنے مشاعرے کی صدارت کے قابل سمجھا۔ اب

مشاعرے کی کارروائی شروع ہوتی ہے، اس یہے...“

نہ پھر، اسے نکھلتے باد بہاری راہ لگ اپنی۔
تحجہ اُنھیلیاں سوچی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں۔
خطبہ صدارت لکھ مکھن کے بعد، میں نے اطمینان کی سانس لی۔ سولہ دسمبر کو مشاعرہ تھا۔ چودہ دسمبر تک میری یہ حالت ہو گئی کھوپڑے دیکھ لیا۔ اُس کے بعد، مجھے ایک عرصے کے لیے بچوں سے نجات مل گئی۔

سولہ دسمبر کی رات کو میں بنارس پہنچا۔ حالانکہ ابھی مشاعرہ شروع ہونے میں کافی دیر تھی لیکن نپڈاں میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ رہ گئی تھی۔

سینکڑی صاحب نے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ ”یہ بنارس کی تاریخ میں غالباً پہلا کامیاب مشاعرہ ہو گا۔“

”اچھا...“ میں نے سمجھتے ہے کہا۔

”یہ محض آپ کی صدارت کی وجہ سے ہے درجن پھیپھی سال بھی ہم نے مشاعرہ کیا تھا۔“

”اے... بھلاؤں کیا... ہی ہی...“

”نہیں، اللہ تعالیٰ یہ محض آپ کے نام کی جادو اثری ہے... اور ہم آج کون ہے جو دنیا سے ادب میں آپ سے اُنھیں چاہ کر سکے؟ اگر رکھی ہیں۔ آپ نے شاید مخفی جان کو گاتے نہیں سننا۔ اللہ غصب کی جیز ہے۔ کیا گل کا پایا ہے۔ کبھی لکھنؤ آئیے تو مجھا سُنو اُوں۔“

سنبھلے! بہرائیوں کے ساتھ ہی ساتھ دُودھ بھی بچنا شروع کر دیا۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دُودھ کی تجارت بڑی منفعت بخش ہوتی ہے۔ میں آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا اور آج تو خیر سے کئی شہروں میں میری ذمیریاں ہیں۔ میں نے جنگ کے زمانے میں دل کھول کر چند دیا۔ اس لیے سرکار انگلشیہ کے حضور سے مجھے ۱۹۳۵ء میں شمس العلامہ کا خطاب عطا ہوا۔ اس شہر کے کئی تیم خانوں اور علمی اداروں کی سرپرستی کر رہا ہوں۔ متعدد جلسوں کی صدارت بھی کرچکا ہوں اور اب بھی جب موقع ملتا ہے تو صدارت سے باز نہیں آتا۔

ایک صبح جب میں اپنے دفتر میں بیٹھا موقع تھا لہذا میں نے اُسے باقاعدے کی شانے کی شانے
کی صدارت کرنے کا میرے لیے یہ پہلا موقع تھا لہذا میں نے اُسے باقاعدے نہ جانے دیا۔

”اس مشاعرے کی غرض، قومی خدمت ہے۔ لیک صاحب بولے۔“

”اور آپ جیسا قوم کا ہمدرد، نہیں اس زمانے میں تو نظر نہیں آتا۔“ دوسرا نے کہا۔

”اسی یہ ہم، بنارس جیسے دُور دراز مقام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔“ تیسرا صاحب بولے۔
”یہ مشاعرہ دراصل چند سے سے ہو رہا ہے۔“ پہلے صاحب جیب سے رسید بک نکال کر اس پر کچھ لکھتے ہوئے بولے۔ ”مشاعرے کی آمدی سے ایک مرغی خانے کا اور مرغی خانے کی آمدی سے ایک تیم خانہ... اور تیم خانے میں قوم کے لاوارث بچتے۔“

”م... مگر...“ میں، پانچ سوروپے کی رسید دیکھ کر بیکھلایا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ یہ قلیل رقم، آپ کے شایان شان نہیں لیکن تم اس سے زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتے۔“ دھی صاحب

رسید بک پیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے بولے۔

”شکریہ!“ ایک نے مصافی کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم میں سے کوئی پندرہ دسمبر کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔“
اُن لوگوں کے جاتے ہی میں سوچنے لگا۔ پانچ سوروپے میں یہ صدارت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ بنارس کی پیٹک بھی مجھ سے واقف ہو جائے گی۔ اُن کی دیکھا دیکھی اور دوسرا شہروں کے لوگ بھی مجھے مدغۇر کرنے لگیں گے...
اوپھر... اوپھر... مگر مشاعرے میں شاید مجھے خطبہ صدارت بھی پڑھنا پڑے۔ پندرہ دسمبر کو ابھی دس روز باقی ہیں۔ اتنے عرصے میں خلیل کھانا اور رضا جا سکتا ہے۔ میں نے حساب کا رجسٹر ایک طرف رکھ کر خطبہ صدارت لکھنا شروع کر دیا۔“

”غافرین و حاضرات و بانیان مشاعرہ اُپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے صدر بنایا۔“

...لیکن یہ تو درست نہیں اس میں تھوڑی سی فاکساری بھی ہوئی چاہیے لہذا میں نے اُسے کاٹ کر دوسرا سطح لکھنی شروع کی۔
”حاضرین و حاضرات و بانیان مشاعرہ اُپ نے مجھے جیسے گھاٹر اُدی کو صدر بنایا جماقت کا ثبوت دیا ہے۔ اس وقت مجھے مولوی مخدوٰنگالب علی کا شعر یاد کر رہا ہے۔“

کبکس مُٹھے سے جاؤ گے غالب

شرم تم کو مسگر نہیں آتی

غالب علی صاحب بہت بڑے شاعر تھے۔ اتنے بڑے اتنے بڑے کہ لکھا بڑا کہا جائے۔ ایک بار وہ سہارن پور لے فتح محمد پور جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک اللہ والے بزرگ ملے اور انہوں نے اُن کو کچھ جڑی بُٹیاں کھلادیں پھر وہ بہت بڑے شاعر ہو گئے۔ اللہ والوں کا کیا کہنا۔ ہمارے مخملے میں بھی ایک مُدبر دُکھ رہتے ہیں۔ اولاد والوں کوے اولاد کر دیتے ہیں۔ آنکھ والوں کو نابینا اور تند راست کو مجبوڑہ والا چار کر دیتے ہیں۔ میرے چوڑے لڑکے کو بہت چاہتے ہیں۔ اُس کو لڑاکے سے مگوا کہتے ہیں۔ شعرو شاعری سے انہیں بہت دلچسپی ہے۔ آج کی انہیں

بخار ہو رہا ہے درنہ میں اُن کو اپنے ہمراہ ضرور لاتا۔

”میں، آپ سے قسمیہ کہتا ہوں کہ میں بہت نالائق اُدی ہوں، نرا چند ہوں۔ آپ نے خواہ مخواہ مجھے صدر بنایا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے شعرو شاعری سے بہت دلچسپی ہے۔ وہ لکھنؤ کی مٹی جان ہیں نا۔ انہوں نے صرف میرے لیے بہت سی غزلیں یاد کر رکھی ہیں۔ آپ نے شاید مخفی جان کو گاتے نہیں سننا۔ اللہ غصب کی جیز ہے۔ کیا گل کا پایا ہے۔ کبھی لکھنؤ آئیے تو مجھا سُنو اُوں۔“

گوییوں کی بُوچا کر دی۔ جب انہیں اچھی طرح سے امینان ہو گیا کہ اب ایک بھی متنفس زندہ نہیں رہا تو وہ مجال صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

”مجال! اے مجال! جناب صدر، میرے باپ کے والد ہیں۔ یہ کہہ کر جہاڑ صاحب میرے ہاتھ پڑنے لگے۔ اس کے بعد جب انہوں نے منہ چونے کی کوشش کی تو میں بوكھلا کر تیکھے ہٹ گیا۔

”خدا کی قسم، صدر صاحب! دانت نہیں کاٹوں گا... اجیں... اجیں... وہ، میری جان...“
میں بُری طرح بھینپ رہا تھا۔ وہ تو کہیے کہ سیکرٹری صاحب نے موقعے کی نزاکت کا احسان کرتے ہوئے فوراً ہی جہاڑ صاحب کے نام کا اعلان کر دیا۔ ورنہ معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔

جہاڑ صاحب مائیک پر پہنچے تھوڑی دیر تک بیٹھے اُنگلی نچاتے رہے پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ ہٹ ہو گئے تھے میں نے شور مچا لاثر وع نہیں جائیں گے۔

کر دیا۔ اپ دو تین بار لڑکھا۔ اس کے بعد بُرے۔ ”بھایو! اپ سب میرے باپ کے بھائی ہیں... دیکھئے میں، اپ کو سنانے جا رہا ہوں...“ پھر ان کے انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے پیشواد تلاش کر رہے ہوں۔

”جہاڑ صاحب بیٹھ کر پڑھیے۔“ سیکرٹری صاحب نے مُری ہُری آواز میں کہا۔
”جلیے نہیں پڑھنا۔“ جہاڑ صاحب رو رکھ کر اپنی جگہ پر آبیٹھے۔

”ارے، ارے، جہاڑ صاحب...“ متعدد آوازیں آئیں۔
”نہیں، نہیں، صاحب! اپ ہی پڑھ دیجئے۔“ جہاڑ صاحب نے جہاڑ کر سیکرٹری صاحب سے کہا۔
سامعین نے تھوڑی دیر صبر کیا اس کے بعد مجال صاحب، مجال صاحب کی آوازیں بلند ہوئے گئیں۔

سیکرٹری صاحب نے بھی واں مندی سے کام لے کر مجال صاحب کے نام کا اعلان کر دیا۔
”صدر صاحب!“ جہاڑ صاحب پڑھنے بیٹھے ہی تھے کہ جہاڑ صاحب کو پھر تاؤ آگیا۔ تمہاری یہ مجال، اتنی جرأت... میں تم سے بُرا شاعر ہوں۔ پہلے میں

پڑھوں گا۔“ جہاڑ صاحب اُنھے ہوئے بُرے۔
”فرمائیے...“

”سلاماً لیکم...“ جہاڑ صاحب نے اپنی پیشانی پر پُر اپا تھر کر کر کہا۔
”و علیکم السلام!“ میں نے اخلاقاً دانت نکال دیے۔

”جہاڑ صاحب، مجال صاحب کو پے دھکیل کر مائیک کے سامنے بیٹھ گئے۔ مجال صاحب نے انہیں ڈائس کے نیچے پھیلیک دیا اور مائیک کو مضبوطی سے تھام کر پڑھنے لگے۔ اس بار جو جہاڑ صاحب کوتا اوایا تو مجال صاحب کے سر پر ایک عدد چانٹا تصنیف کر دیا۔ بُس پھر کیا تھا

”فرمایے...“
”اوھڑا اُس پر دونوں شاعر مجھ تک اُر اوس سامعین میں جگد ڈریج گئی۔ میری جو شامت اُتی تو ان دونوں حضرات کو اُنگ کرنے لگا۔ اتنے میں ایک غنڈہ ڈائس پر پڑھ دیا اور مجھے ایک طرف دھکیل کر لوا۔ ابے، تو کیوں نیچ میں بوتا ہے؟“ پھر اُس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور

”سلاماً لیکم...“
”میں نے مسکرا کر سر پلا دیا۔“

”آپ سلام کا جواب نہیں دیتے۔“ جہاڑ صاحب بُرے۔
”و علیکم السلام!“ میں نے اپنی باداً خلائق پر شرم کر کہا۔

”تھوڑی دیر تک جہاڑ صاحب اپنے مخصوص انداز میں شعروں کی داد دیتے رہے۔ اس کے بعد پھر مجھ سے مناطب ہوئے...“

”صدر صاحب!“
”فرمایے...“
”میں آج رات خود کو بیوہ محسوس کر رہا ہوں۔“

”میں نے پھر دانت نکال دیے۔
”آپ بھی سنتے ہیں۔ میں، آپ کو گولی مار دوں گا... تھائیں...“ جہاڑ صاحب نے اپنے بائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی سیدھی کر کے

اور انگوٹھے میں دائیں ہاتھ کی اُنگلی پھنسا کر بندوق چلائی۔ ”صدر صاحب...“
”جی...“
”تھائیں...“

”ایک شاعر پڑھ کر اُٹھا ہی رہا تھا کہ جہاڑ صاحب نے اُسے بھی انگیوں کی بندوق سے شہید کر دیا... اور پھر تسام سامعین پر

میں یہ کہوں کر اُردو مرف آپ ہی کے دم سے زندہ ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اگر آپ کی سہی نہ ہوتی تو ہم یہ مشاعرے کبھی نہ کر سکتے حالانکہ تین سو رُوپے کا گھٹا ہے۔“ میں نے جوش سے کہا۔

مشاعرہ شروع ہوا۔ تھوڑی دیر تک مقامی شعر اور شو قین طلبائی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ اس کے بعد میں نے خطبہ صدارت پڑھا اور مشاعرے کی باقاعدہ کارروائی شروع ہو گئی۔ دُوشاعر پڑھ کر تھے، تیسرے کا نام پکارا ہی جا رہا تھا کہ ایک سور قیامت اُھٹا۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پیک کے دو پسندیدہ شاعر گیٹ پر آؤ گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب تک سیکرٹری خود نہ آئے کاہم ڈائس پر

سیکرٹری بے چارا ہوتا ہی اس یہے ہے لیکن دو عدد بگڑے ہوئے شاعروں کو سنبھالنا، اس اکیلے کے میں کاروگ نہ تھا۔ اس لیے چند رضا کاروں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں... بہتر اخراجی دونوں حضرات جھوٹتے جھالتے نہیں میں دُھت ڈائس تک آئے۔ ان میں سے ایک صاحب نے تھتا آتمانہ مناسب نہ سمجھا اس یہے پیر لٹکا کر کنارے ہی بیٹھ گئے۔ دوسرے حضرت مجھے گھوڑتے رہے پھر اچانک انہوں نے جھک کر نہایت ادب سے مجھے سلام کیا اور اجازت لے کر میرے قریب ہی بیٹھ گئے۔

سیکرٹری صاحب نے ہٹرے ہو کر ارشاد فرمایا۔ ”حضرات! آپ کو یہ سُر کر خوش ہو گی کہ آپ کے محظوظ حضرت جہاڑ اور حضرت مجال تشریف بے آئے ہیں۔ اب مشاعرے کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوتی ہے۔“

سیکرٹری صاحب کے اشارا کرنے پر معلوم ہوا کہ میرے قریب بیٹھے ہوئے بزرگ حضرت جہاڑ ہیں۔

”صدر صاحب!“ جہاڑ صاحب نے میری طرف مجھ کر آہستہ سے کہا۔

”سلاماً لیکم...“
”جہاڑ صاحب نے اپنی پیشانی پر پُر اپا تھر کر کر کہا۔

”و علیکم السلام!“ میں نے اخلاقاً دانت نکال دیے۔

”جہاڑ صاحب پھر جونکے۔“ صدر صاحب...!
”فرمایے...“
”سلاماً لیکم...“

”آپ سلام کا جواب نہیں دیتے۔“ جہاڑ صاحب بُرے۔

”و علیکم السلام!“ میں نے اپنی باداً خلائق پر شرم کر کہا۔

”تھوڑی دیر تک جہاڑ صاحب اپنے مخصوص انداز میں شعروں کی داد دیتے رہے۔ اس کے بعد پھر مجھ سے مناطب ہوئے...“

”صدر صاحب...!
”فرمایے...“
”میں آج رات خود کو بیوہ محسوس کر رہا ہوں۔“

”میں نے پھر دانت نکال دیے۔
”آپ بھی سنتے ہیں۔ میں، آپ کو گولی مار دوں گا... تھائیں...“ جہاڑ صاحب نے اپنے بائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی سیدھی کر کے

اور انگوٹھے میں دائیں ہاتھ کی اُنگلی پھنسا کر بندوق چلائی۔ ”صدر صاحب...“
”جی...“
”تھائیں...“

”ایک شاعر پڑھ کر اُٹھا ہی رہا تھا کہ جہاڑ صاحب نے اُسے بھی انگیوں کی بندوق سے شہید کر دیا... اور پھر تسام سامعین پر

عظمیں ناولوں کی خالق سَلَمیٰ کنوں کی نئی تخلیق، جادو اور تختیر

تازہ ترین ناول

تالشیر: آج ہی قریبی پکستان سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

الحیات، سمنا باد، مین وڈ، لاہور

سِمِنْكِمَا